بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقوشِ سیرت

تالیف:

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی

شیخ الحدیث وقائم مقام مہتمم

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

Mobile: 09412866177

ناشر

مرکز الامام ولی اللہ الدہلوی للدعوۃ والارشاد

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

حرفِ آغاز

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام علی من لا نبی بعده۔

پیش نظر کتاب ''نقوشِ سیرت'' سیرتِ نبویہ علی صاحبہا الف الف سلام کی حیات، خدمات، مشن، کردار و پیغام کی نمایاں اور روشن وتابندہ جھلکیوں کو پیشِ نظر کرنے کی ایک محدود کوشش وکاوش ہے۔

مؤلف نے اپنی سعادتِ حیات باور کر کے اور اپنے لئے ذخیرۂ آخرت بنانے کے ارادہ سے سیرت کی اس مقدس ومبارک وادی میں قدم رکھا ہے، اور اشہبِ قلم کو مہمیز دی ہے، فتقبل اللّٰہ منہ قبولاً حسناً۔

اس کتاب میں کچھ ایسے موضوعات بھی ہیں جو بالعموم سیرت کی کتابوں میں ذکر نہیں کئے جاتے، اسوۂ رسول کے روشن عناوین کے ذیل میں سیرت کے سترہ نکات کو اختصار کے ساتھ سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اہانتِ رسول کی حالیہ دشمنانہ سرگرمیوں کے حوالہ سے ایک چشم کشا تحریر بھی شاملِ کتاب کی گئی ہے، سیرتِ رسول کے تربیتی پہلو پر خاص توجہ مرکوز کی گئی ہے، اس طرح اگر یہ کہا جائے کہ یہ کتاب سیرتِ نبویہ کے نمایاں نقوش کو کسی درجہ میں حاوی اور محیط ہوگئی ہے، تو بے جا نہ ہوگا۔

خداوند قدوس اس کوشش کو قبول فرمائے، اور اسے راقم کی نجات ومغفرت اور استحقاق شفاعتِ نبوی کا وسیلہ وذریعہ بنائے، آمین۔

محمد اسجد قاسمی ندوی

خادم الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

یکم رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

۲۵/ جون ۲۰۰۹ء

فہرست عنوانات

□ اسوۂ رسول ﷺ کے روشن عناوین ۳۷

رہے رسول کے قدموں میں سر خدا کے لئے

قرآنِ کریم میں وارد ہوا ہے:

قل ان کان اٰباء کم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یأتی اللہ بامرہ، واللہ لا یھدی القوم الفٰسقین۔ (التوبۃ: ٢٤)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرمادیجئے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان، تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے، وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تم کو خدشہ واندیشہ ہے، اور تمہارے محبوب رہائشی مکانات، تمہیں اللہ، اس کے پیغمبر اور راہِ خدا میں جہاد سے زیادہ پیارے ہوں، تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمادے اور اللہ نافرمانوں کو بامراد نہیں کرتا۔

وضاحت

سورۂ توبہ کی یہ آیت اہم ترین آیت ہے، اور صاحب کشاف زمخشری کے بقول:

ھٰذہ آیۃ شدیدۃ لا تریٰ اشد منھا۔ (تفسیر الکشاف، جار اللہ زمخشری ٢٤٩/٢)

ترجمہ: یہ اتنی سخت آیت ہے کہ اس سے زیادہ سخت کوئی اور آیت نہیں ہے۔

آیت کے مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہ وولدہ والناس اجمعین. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کی نگاہ میں اس کے باپ، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب اور پیارا نہ ہو جاؤں۔

ہجرت مدینہ کے حکم کے بعد بعض مسلمانوں نے ہجرت میں تھوڑی سی کوتاہی کی اور ان کی زبان پر یہ بات آ گئی کہ:

ان نحن ھاجرنا ضاعت اموالنا وذھبت تجاراتنا وانقطعت ارحامنا.

ترجمہ: اگر ہم ہجرت کریں گے تو ہمارے مال ضائع ہو جائیں گے، اور کاروبار مندے ہو جائیں گے، اور رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے، اور ختم ہو جائیں گے۔

اس موقع پر قرآن کی مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں بڑی وضاحت سے یہ فرما دیا گیا کہ حب ایمانی اور حب غیر ایمانی میں مقابلہ کے وقت حب ایمانی کو ترجیح دینا ہی ایمان کی علامت اور مقتضا ہے، اور اگر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں دوسری محبتیں غالب آ رہی ہیں، تو عذابِ الٰہی کا انتظار کیا جائے، اور آخر میں یہ بھی فرما دیا گیا کہ اللہ و رسول اور جہاد کی محبت سے محرومی اللہ کی ہدایت اور رہنمائی سے محرومی ہے۔

دنیا کے وہ مرغوبات جو عام طور پر حب خدا اور رسول سے متصادم ہوتے ہیں، ان کو قرآن کی اس آیت میں نام بہ نام ذکر فرمایا گیا ہے، اور اس فہرست میں بے حد لطیف و دقیق نفسیاتی ترتیب بھی ملحوظ رکھی گئی ہے، سب سے پہلے اعزہ و اقارب کا ذکر ہے، جن کو اولاً چار قسموں میں بانٹا گیا ہے: باپ کا ذکر ہے جس میں والدین کے علاوہ تمام آباء واجداد (اصول) آ جاتے ہیں، پھر بیٹوں کا ذکر ہے جس میں تمام اولاد (فروع) شامل ہیں، پھر بھائیوں پھر بیویوں کا ذکر ہے، ان چار خاص اعزہ کے ذکر کے بعد ''خاندان'' کا عمومی تذکرہ آیا ہے، جو سب متعلقین کا احاطہ کرتا ہے۔

دوسرے نمبر پر کمائے گئے مالوں کا ذکر ہے، مالوں کے ساتھ کمانے کی قید میں ایک حکمت ہے، وہ یہ کہ محنت وکمائی سے میسر شدہ مال دلوں کو زیادہ پیارا ہوتا ہے، اس کی زیادہ اہمیت وقدر ہوتی ہے، جب کہ بے محنت حاصل شدہ مال (مثلاً میراث، وصیت اور ہدیہ وتحفہ وغیرہ کا مال) کی نہ تو اتنی محبت وعزت ہوتی ہے اور نہ اس کی حفاظت اور نگہداشت کا اتنا اہتمام والتزام ہوتا ہے۔

تیسرے نمبر پر تجارت کا ذکر ہے، تجارت کے ساتھ کساد بازاری کے خدشہ واندیشہ کی قید بتاتی ہے کہ کامیاب، نفع رساں اور چلتی ہوئی تجارت مراد ہے؛ کیوں کہ اسی کے سرد اور ختم ہونے کا اندیشہ دل کو ستاتا اور گھبراہٹ میں ڈالتا ہے، اور اسی کی کساد بازاری کے خطرات ہوتے ہیں، جن سے بچاؤ کے لئے آدمی پوری کدوکاوش کرتا ہے اور اتنی اہمیت اسے دیتا ہے کہ بسا اوقات ضروریاتِ دین اس کے سامنے ہیچ ہوجاتی ہیں، اللہ ورسول کی محبت پر اسے غلبہ مل جاتا ہے، اور یہی سنگین خطرہ کا الارم ہوتا ہے۔

چوتھے نمبر پر رہائشی مکانات (وطن) کا ذکر ہے، وطن ومکان کی محبت سابقہ تینوں کی محبت سے کم ہوتی ہے، اس کی وجہ علامہ ابن القیم جوزیؒ کے بقول یہ ہے کہ:

''وطن کا متبادل موجود ہوتا ہے کہ آدمی دوسرا وطن بنالے، دوسری جگہ رہنے لگے؛ بلکہ کبھی دوسری جگہ زیادہ طبیعت لگتی ہے، جب کہ اولاد ووالدین واقارب کا کوئی متبادل نہیں ہوتا، اصل ترتیب یہی ہے کہ سب سے زیادہ محبت اقارب سے، پھر مال، پھر تجارت، پھر وطن سے ہوتی ہے، اسی کا قرآنِ کریم میں ذکر ہے۔ اگر کسی فرد کی عملی زندگی میں یہ ترتیب کچھ بدلی ہوئی ہو تو وہ ایک عارضی اور نادر الوقوع حالت ہے، جس سے اصل ترتیب پر کوئی حرف نہیں آتا''۔ (بدائع التفسیر: امام ابن القیم جوزیؒ ۲/۳۵۱، التفسیر الکبیر للرازی: ۸/۱۶-۱۷، البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ۵/۳۹۱)

یہاں یہ بھی قابل توجہ ہے کہ اعزہ واقارب کا ذکر آیت میں مال سے پہلے آیا ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ آخر میں جہاد کا ذکر ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ اگر مذکورہ اشیاء جہاد سے زیادہ پیاری ہیں، تو یہ مستحق وعید بات ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ اہل وعیال اور خاندان سے جدائی کا تصور

انسان کے لئے جہاد میں جانے سے مال ودولت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ رکاوٹ ثابت ہوتا ہے، پھر خاندان میں آباء کا پہلے ذکر ہوا ہے پھر اولاد کا؛ اس لئے کہ مقام ومرتبہ کے لحاظ سے بھی اور فطری طور پر بھی آباء کا درجہ اولاد پر مقدم ہوتا ہے، خاندانی تفاخر کے باب میں بھی آباء ہی کا لحاظ کیا جاتا ہے، آباء کا دفاع آدمی اپنی اولاد؛ بلکہ اپنی ذات سے زیادہ کرتا ہے، اولاد کی اور اپنی برائی تو برداشت کرلی جاتی ہے، مگر آباء کی برائی قطعاً ناقابل تحمل ہوتی ہے، پھر چوں کہ بیٹے بھائیوں اور دیگر اہل خاندان سے کہیں زیادہ پیارے اور عزیز ہوتے ہیں؛ اس لئے دوسرا درجہ ان کو دیا گیا ہے، پھر بھائیوں کا ذکر بیویوں سے پہلے ہے؛ کیوں کہ بھائی اپنے ہوتے ہیں جن کا کوئی بدل نہیں، جب کہ بیویاں اجنبی ہوتی ہیں، ان کا بدل دوسری بیوی ہوسکتی ہے۔ (بدائع التفسیر: امام ابن القیم جوزی ۳۵۰/۲)

مفسر بیضاوی نے تحریر فرمایا ہے کہ:

وفي الآية تشديد عظيم وقل من يتخلص منه.

(تفسیر البیضاوی بیروت ۲۵۰)

ترجمہ: یہ آیت بے حد سخت ہے، اور اس کی وعید سے بہت کم ہی لوگ بچ پاتے ہیں۔

کیوں کہ اکثر افراد کے دلوں میں اہل وعیال اور مال کی محبت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، ہاں یہ ملحوظ رہے کہ آیت میں اللہ ورسول کی محبت سے اختیاری محبت مراد ہے؛ کیوں کہ طبعی محبت غیر اختیاری ہوتی ہے جو اہل وعیال سے ہوتی ہے، اس پر پابندی عائد کرنا وسعت سے زیادہ مکلّف بنانا ہے؛ لیکن اگر کسی کو اللہ ورسول سے طبعی محبت ہوجائے تو یہ بہت اعلیٰ مقام ہے، اور اس سے اونچی کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔

احادیث میں اللہ ورسول کی محبت کو ایمان کی حلاوت اور چاشنی سے تعبیر کیا گیا ہے، دوستی ودشمنی اور محبت وعداوت نیز دینے نہ دینے کے تمام جذبات کو اللہ کی مرضی کے تابع کرنے کو کمال ایمان قرار دیا گیا ہے، اللہ کو رب، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور اسلام کو دین ماننے پر قلبی

رضامندی کو ایمان کی لذت یابی اور بشاشت بتایا گیا ہے۔ یہ احادیث اسی آیت کی تشریح ہیں، تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ حدیث نبوی ہے، ان احادیث میں اسی آیت کا مضمون واضح فرمایا گیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

''محبت ایمانی کی اس آزمائش میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس طرح پورے اترے، اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے، اور محتاج بیان نہیں، بلا شائبہ مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا صحابہ نے اللہ کے رسول سے راہِ حق میں کیا، انہوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیا، جو انسان کر سکتا ہے، اور پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پاسکتی ہے؛ لیکن آج ہمارا حال کیا ہے؟ کیا ہم میں سے کسی کو جرأت ہوسکتی ہے کہ یہ آیت سامنے رکھ کر اپنے ایمان کا احتساب کرے؟۔ (ترجمان القرآن ۳/۲۵۴-۲۵۵)

مختصر لفظوں میں اس آیت کا پیغام یہ ہے کہ اے مدعیانِ اسلام! اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو، اپنے اندرون کا جائزہ لو، اپنے باطن کا محاسبہ کرو، اور اپنے دل کے نہاں خانوں میں ٹٹولو کہ کہیں تمہارے دل نے عشق و محبت اور اظہار عقیدت کے لئے اللہ و رسول کے سوا اور دوسرے بت تو منتخب نہیں کر لئے ہیں؟ اگر ایسا ہوا ہے تو سمجھ لو کہ ایمان کی نورانیت و روحانیت سے تمہارا دل محروم اور سینہ خالی ہے، اب اگر ایمان کی اصل تابندگی اور روح کی تلاش ہے تو اللہ و رسول سے اس طرح محبت کرنا ہوگی کہ کائناتِ عالم کی تمام محبتیں اس کے سامنے بے مایہ اور بے حقیقت ہو جائیں، قرآن کریم یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ بیویوں سے، بچوں سے، خاندان سے مطلق محبت نہ کرو، نہیں! بلکہ قرآن صرف یہ کہتا اور چاہتا ہے:

قدم اٹھاؤ ترقی کرو ضرور و لے
رہے رسول کے قدموں میں سر خدا کے لئے

پانچ پیغمبرانہ اوصاف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی بار جو وحی نازل ہوئی اس کے بعد آپ پر اضطراب اور گھبراہٹ کا عالم طاری ہوا تھا اور آپ اسی وقت غارِ حراء سے گھر واپس آئے، اس موقع پر آپ کی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ:

کلا واللہ لا یخزیک اللہ ابداً، انک لتصل الرحم، وتحمل الکل، وتکسب المعدم، وتقری الضیف، وتعین علی نوائب الحق.

ترجمہ: ہرگز اللہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، اور انہیں کمائی سے لگا دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق کے مصائب میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ اہل مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حبشہ ہجرت کا ارادہ کرلیا اور مکہ سے نکل پڑے، راستے میں قبیلۂ قارہ کا سردار ''ابن الدغنہ'' آپ سے ملا اور پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میری قوم نے زندگی اجیرن کردی، مکے میں رہنا دوبھر کردیا، اس لئے میں مکہ سے نکل آیا؛ تاکہ آزادی سے اپنے رب کی بندگی کروں، اس پر ابن الدغنہ نے کہا کہ اے ابوبکر! تم جیسے انسان کو نہ نکلنا چاہئے اور نہ نکالا جانا چاہئے، تم نادار کو کمائی سے لگاتے ہو، رشتے ناتے جوڑتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، دوسروں کا بار اٹھاتے ہو، اور حق کی وجہ سے پیش آمدہ مصائب پر مدد کرتے ہو، میں تم کو پناہ دیتا ہوں، تم مکے واپس چلو، اور اپنے رب کی عبادت اپنے شہر میں کرو، چناں چہ حضرت ابوبکر واپس آئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں کی زندگیاں اُن پانچ اوصاف سے متصف تھیں، جو عزت، کامیابی اور کامرانی کا پیش خیمہ

ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) صلہ رحمی

اہل قرابت کے ساتھ حسن معاملہ اور ان کے تمام حقوق کی ہر ممکن ادائیگی کا عنوان شریعت نے صلہ رحمی رکھا ہے، قرآن میں: ﴿ذوی القربیٰ﴾ (رشتہ داروں) کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید متعدد مقامات پر آئی ہے، احادیث میں وضاحت آئی ہے کہ قطع رحمی جنت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ فرمایا گیا:

لا یدخل الجنة قاطع. (متفق علیہ)

ترجمہ: قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

صلہ رحمی کے دنیوی فوائد کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے کہ:

من احب ان یبسط لہ فی رزقہ وینسأله فی اثرہ فلیصل رحمہ.

(متفق علیہ)

ترجمہ: جو شخص اپنے رزق میں فراخی اور اپنی عمر میں درازی چاہے تو وہ اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

صلہ رحمی کی سب سے افضل صورت جس پر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ عمل خود آپ ﷺ نے فرمایا ہے، اور جس کی آج سب سے اشد ضرورت ہے، اسے اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ:

لیس الواصل بالمکافئ ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلھا. (بخاری شریف)

ترجمہ: وہ آدمی صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو (صلہ رحمی کرنے والے اقرباء کے ساتھ) بدلے کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے، صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں صلہ رحمی کرے اور قرابت داروں کا حق ادا کرے جب وہ اس کے ساتھ قطع رحمی اور حق تلفی کا معاملہ کریں۔

معلوم ہوا کہ قطع رحمی کا جواب قطع رحمی سے دینا معاشرہ کے بگاڑ کو بڑھاوا دینا ہے، قطع رحمی کا جواب صلہ رحمی سے، ظلم کا جواب معافی سے، دہشت گردی کا جواب رحمت سے دینا ہی معاشرے

میں امن کوفروغ دینااور صحیح راہ پرگام زن کرنا ہے۔

(۲) درماندوں کا بوجھ اٹھانا

یعنی کمزور، بے چارے، بے سہارا و آسرا بھائیوں کی کفالت و معاونت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، جس پر اللہ کی طرف سے بڑے انعامات کی بشارت امت کو دی گئی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله وکالصائم الذی لا یفطر والقائم الذی لا یفتر. (متفق علیہ)

ترجمہ: بیوہ اور مسکین حاجت مند کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (ثواب واجر میں) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے بندے کی طرح ہے، اور اس شب بیدار کی طرح ہے جو شب خیزی میں سستی نہ کرتا ہو اور اس بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزے رکھتا ہو، کبھی ناغے نہ کرتا ہو۔

مزید ارشاد فرمایا کہ: ''جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ اس کی حاجت روائی فرمائے گا''۔ (متفق علیہ)

(۳) تہی دستوں کا بندوبست کرنا

یعنی ان کو کمائی سے لگانا، ان کی پریشانی و تہی دستی دور کرنا اور ان کی محتاجگی کا ازالہ اونچے درجہ کی نیکی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

من نفّس عن مسلم کربة من کرب الدنیا نفّس اللّٰه عنه کربة من کرب یوم القیامة. (ترمذی شریف)

ترجمہ: جو کسی مسلمان کی کوئی دنیوی تکلیف اور پریشانی دور کرے گا اللہ اس کے عوض قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اس کو نجات دے گا۔

کسی کے لئے سفارش کرنا، قرض کم یا معاف کرنا، دوسرے کو اس کی مدد پر آمادہ کرنا سب

اسی میں شامل ہے۔

(۴) مہمان نوازی

مہمان نوازی ایمان کامل کی علامت ہے، ہر مسلمان پر یہ لازمی حق ہے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ. (متفق علیہ)

ترجمہ: جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے مہمان کا ضرور اکرام کرے۔

بعض روایات میں ہے کہ تین دن تک ضیافت کرتا رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ودیگر انبیاء علیہم السلام کا جذبۂ ضیافت ہر مؤمن کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔

(۵) راہِ حق کے مصائب پر تعاون

ظالم کو ظلم سے روکنا، مظلوم کی مدد، ہمت افزائی، تشجیع، صبر واستقامت کی تلقین بہت بڑی نیکی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

واللّٰہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ. (مسلم شریف)

ترجمہ: بندہ جب تک اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہتا ہے۔

صلہ رحمی، درماندوں کا بار اٹھانا، تہی دستوں کا بندوبست، مہمان نوازی، راہِ حق میں ایک دوسرے کا تعاون یہ سب عام مسلمانوں کے حقوق سے متعلق نیکیاں ہیں۔ افضل الرسل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کے بعد انسانوں میں سب سے افضل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں ان تمام نیکیوں کے جامع تھے، ہر مسلمان ان کی زندگیوں سے نمونہ حاصل کرکے اپنی سیرت کو پاکیزہ بنا سکتا ہے، اور اپنے کو ذلت ورسوائی سے بچا سکتا ہے۔

○●○

پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی جامعیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہر لحاظ سے جامع اور کامل ومکمل تھی، آپ کا عہد طفولیت ہو یا دور شباب، کہولت کا زمانہ ہو یا بڑھاپے کے ایام، آپ کی حیاتِ مبارکہ کی جامعیت وکاملیت کے نمونے ہر مرحلۂ زندگی میں نظر آتے ہیں۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان ہے کہ:

علمنی ربی فاحسن تعلیمی، وادبنی ربی فاحسن تأدیبی.

ترجمہ: میرے رب نے مجھے علم سکھایا تو کیا خوب علم سکھایا، اور میرے پروردگار نے مجھے ادب سکھایا اور میری تربیت کی، تو کیا خوب تربیت کی۔

قرآن میں وارد ہوا ہے:

وانزل اللّٰہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک ما لم تکن تعلم، وکان فضل اللّٰہ علیک عظیماً. (النساء: ۱۱۳)

ترجمہ: اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی، جو آپ کو معلوم نہ تھا وہ آپ کو سکھایا، اور آپ پر اللہ کا فضل بہت ہے۔

پوری دنیا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وپیروی کا حکم دیا گیا، اور آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا۔ فرمایا گیا:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ. (النساء ۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ تن تنہا اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی قوم کو خدائے واحد کی بندگی کی صریح دعوت دی، بت پرستی کی علانیہ مذمت کی، نتیجہ یہ

ہوا کہ حق غالب آ کر رہا، دین برحق ہر طرف پھیل گیا، آپ بے سروسامان تھے، سلطنت آپ کے قبضہ میں نہ تھی، مال و دولت کے خزانے آپ کے پاس نہ تھے، مگر توکل اور تقویٰ آپ کا زادِ سفر تھا، آپ نے اسلام کا علم بلند کر دیا اور اپنے رب کا پیغام حق ہر گوشے میں پہنچا دیا۔

آپ بے انتہا عظیم ہونے کے ساتھ ہی مصلح اعظم بھی تھے، ہر نوع کی برائیوں اور خرابیوں کو معاشرہ سے مٹانے کی سعی وکوشش آخری لمحۂ زندگی تک فرماتے رہے، اور اس کی تلقین وتاکید کرتے رہے، عدل وانصاف اور مساوات ومواسات آپ کی تعلیم کے روشن عناوین ہیں، فقراء ومساکین کے ساتھ آپ کا معاملہ رحم وہمدردی، مدد واعانت، غلاموں کے ساتھ حسن سلوک، انہیں اللہ کی راہ میں آزاد کرنے کی تلقین، آپ کی سیرت میں واضح طور پر موجود ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ آپ نے زمانۂ جاہلیت میں اپنے غلاموں کو آزاد فرمایا تھا، پھر بعد میں جو غلام بھی آپ کو ہدیہ میں ملے ان کو بھی آزاد فرمایا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

''اپنے غلاموں اور زیردستوں کے بارے میں اللہ سے ڈرا کرو''۔

یعنی ان کے ساتھ حسن معاملہ رکھو، ظلم، بدسلوکی اور طاقت سے زائد بوجھ ڈالنے کا گناہ مت کرو۔

اس معاشرے میں جہالت عام تھی، آپ نے علم کی روشنی پھیلائی، علم کی طلب کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا، واضح کر دیا کہ علم زندگی اور جہالت موت ہے، اہل علم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے۔ بدر کے قیدیوں کی رہائی کا عوض یہ بھی قرار دیا کہ وہ جاہل مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں، فرمایا: ''اپنے بچوں کو علم سکھاؤ؛ کیوں کہ وہ تمہارے زمانے کے لئے نہیں اگلے زمانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں''۔

اس ماحول میں یتیم سب سے زیادہ مظلوم تھا، تربیت کے نام پر اس کا استحصال ہوتا تھا، آپ نے اس پہلو پر خاص توجہ دی، آپ نے یتیموں کے ساتھ بدمعاملگی کو بہت خطرناک جرم

قرار دیا، یتیم کی کفالت کرنے والے کو جنتی بتایا، اور اس سے حسن سلوک کی پر زور تاکید فرمائی۔ اسی طرح قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا، مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قیدیوں کو رہا کرانے کی کوشش کریں۔ حضرت ثمامہ بن اثال قیدی تھے، ان کے بارے میں حکم دیا کہ ان سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کیا جائے۔

آپ کی ذاتی زندگی کا شعار زہد، قناعت اور استغناء تھا، آپ شاہانہ زندگی گذارنے پر قدرت کے باوجود فقر وزہد کو ترجیح دیتے تھے، بقدر کفاف روزی پر قانع تھے، اپنا ہر کام بدست خود کرتے تھے، آپ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کا کرتا کسی یہودی کے پاس گروی رکھا ہوا تھا، آپ نے واضح فرمادیا تھا کہ انبیاء کا مال وراثت میں نہیں بٹتا، وہ صدقہ ہے، جو ضرورت مند مسلمانوں کے کام میں آتا ہے۔

آپ کی شجاعت، دلیری، ثابت قدمی، صبر وشکیبائی، غیرت ایمانی، سخاوت وفیاضی اور جود وکرم کے نمونے سیرت میں محفوظ ہیں۔ میدانِ جنگ میں آپ کی جنگی حکمت، فوجی صلاحیت، فراست، دوراندیشی اور بصیرت کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ نے ہزاروں بار کافروں کے ہجوم میں بالکل بے خوف ہوکر حق وتوحید کی صدا بلند کی، اس راہ میں آپ کو بے شمار ایذاؤں اور مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا، مگر آپ پہاڑوں سے زیادہ ثابت قدم رہے۔ طائف میں آپ کو لہولہان کیا گیا، دارالندوہ میں آپ کے قتل کا پروگرام طے ہوا، حالت نماز میں آپ پر اوجھ ڈالی گئی، راستہ چلتے ہوئے آپ پر غلاظت ڈالی گئی، غزوۂ احد میں آپ کے دندانِ مبارک شہید کئے گئے، روئے مبارک کو زخمی کیا گیا، مگر صبر واستقلال کی طاقت سے آپ نے دشمنوں کی ہر تدبیر ناکام بنادی۔

آپ کی زندگی کا ہر پہلو نمونہ ہے، اہل ایمان کے لئے منارۂ نور اور مشعل راہ ہے، اور آپ کے اولادِ آدم کا سردار ہونے کا واضح ثبوت بھی ہے۔ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔

○●○

یتیموں کا والی

قرآنِ کریم میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پوری انسانیت اور تمام کائنات کے لئے رحمت وبرکت ہے، اور دنیا کا کوئی بھی طبقہ اور فرد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عام سے محروم وتہی دست نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، انسانوں کا کونسا وہ طبقہ ہے جس پر آپ کا براہِ راست یا بالواسطہ احسان نہیں ہے؟

لو لاک لما خلقت الافلاک.

ترجمہ: اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔

اگر چہ لفظاً وروایۃً مشکوک ہے؛ تاہم اس سے یہ ضرور مفہوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے محسن اعظم ہیں، اور سب کا وجود انہیں کی ذاتِ اقدس کا رہین منت ہے۔

انسانوں میں ایک طبقہ ان یتیم بچوں کا ہے جو بے سہارا اور قابل ترحم ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان اور رحمت عام سے یہ طبقہ بھی محروم نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی روشنی میں اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں آپ کی یتیمی کا ذکر کیا گیا ہے:

الم یجدک یتیماً فاٰوی. (الضحیٰ: ٦)

ترجمہ: کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا تو اس نے آپ کو ٹھکانہ فراہم کیا۔

ایک مفکر کی زبان میں:

''یتیمی کے داغ سے بڑھ کر اور کون داغ ہوسکتا ہے؟ اس وقت سے بڑھ کر بے کسی اور بے چارگی کا اور کون سا وقت ہوتا ہے؟ آج ساری دنیا کے بے کس،

بیچارے، یتیموں یسیروں کو خوش خبری ہو کہ جس نے ساری دنیا کے یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھا وہ خود بھی یتیم ہی ہو کر دنیا میں آیا، اور یتیمی بھی کس غضب کی؟ عمر کے دس سال پر نہیں، پانچ سال پر نہیں، والد کی شکل سرے سے دیکھی ہی نہیں، اور باپ کی محبت کو ایک لمحے کے لئے بھی جانا ہی نہیں، جب دنیا میں تشریف لائے تو باپ پہلے ہی واپس بلا لئے گئے تھے، رہیں والدہ ماجدہ، سو وہ بھی پانچ سال سے زائد اپنی آنکھوں کے تارے اور عالم کے آفتاب کا نظارہ نہ کر سکیں، یتیم کا اطلاق تو اس پر ہونے لگتا ہے جس کا صرف باپ زندہ نہ ہو، یہاں شروع سے بے پدری، اور شعور پیدا ہوتے ہی بے مادری، ایک ساتھ یتیمی و یسیری، دنیا جہاں کے یتیمو! اپنے حال پر رونے اور کڑھنے کی جگہ خوش اور نازاں ہو کہ تم کس کی صف میں کھڑے ہوئے ہو"۔

(ذکر رسول مردوں کی مسیحائی، از: مولانا عبد الماجد دریابادیؒ ۱۰۱)

قرآن میں اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے اس انعام کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو یتیمی کے عالم میں بھی بے آسرا نہ چھوڑا، پناہ دی، چھ سال تک والدہ نے پرورش کی، پھر دادا نے پالا، پھر شفیق چچا نے، پھر ہجرت کے بعد اہل مدینہ نے سر آنکھوں پر بٹھایا، اس نعمت کا شکر اس طرح ادا ہوگا کہ کسی یتیم پر کوئی زیادتی اور حق تلفی نہ ہونے پائے۔

فاما الیتیم فلا تقھر. (الضحیٰ: ۹)

ترجمہ: آپ کسی یتیم پر مسلط نہ ہوں۔ یعنی یتیم کا حق ضائع نہ کریں یہ اللہ کا حکم ہے۔

اس حکم کی روشنی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت یہ بتاتی ہے کہ آپ نے یتیموں کا بے حد اکرام فرمایا، ان کے حقوق خود ادا کئے، اور دوسروں کو بڑا تاکیدی حکم فرمایا۔ قرآنِ کریم میں اللہ کے نیک بندوں (ابرار) کی ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ:

یطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً واسیراً. (الدھر: ۸)

ترجمہ: وہ اللہ کی محبت میں مسکین ویتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں۔یعنی خالص اللہ کی رضاجوئی کے لئے وہ یتیموں کی تمام ضروریات پوری کرتے ہیں۔

دوسری طرف اللہ کے مجرم اور مستحق عذاب بندوں کا عالم یہ ہوتا ہے کہ:

کلا بل لا تکرمون الیتیم. (الفجر: ۱۷)

ترجمہ: بلکہ تم یتیم کی توہین کرتے ہو،عزت نہیں کرتے۔

منکرحق کی پہچان یہ بھی ہے کہ:

یدع الیتیم. (الماعون: ۲)

ترجمہ: وہ یتیم کو دھکے دے کر باہر نکال دیتا ہے۔

قرآنِ کریم نے اعمال صالحہ کو ''عقبہ'' (گھاٹی) سے تعبیر کیا ہے کہ جس طرح گھاٹی دشمن سے بچاؤ کا ذریعہ بنتی ہے، ایسے ہی اعمال صالحہ عذابِ آخرت سے نجات کا باعث ہوتے ہیں، ان اعمال صالحہ کے ذیل میں یتیم کی ضرویات کی تکمیل اور اس کو کھانا کھلانے کا ذکر بھی ہے۔(البلد:۱۵)

مذکورہ آیات میں یتیموں کے اکرام کا اخلاقی وروحانی پہلو نمایاں ہورہا ہے، ان کے علاوہ متعدد آیات ایسی بھی ہیں جن میں ان کے قانونی حقوق کی تاکید فرمائی گئی ہے۔فرمایا گیا:

وان تقوموا للیتامیٰ بالقسط. (النساء: ۱۲۷)

ترجمہ: یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔

ان الذین یأکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یأکلون فی بطونھم ناراً وسیصلون سعیراً. (النساء: ۱۰)

ترجمہ: جولوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں، وہ عنقریب داخل جہنم ہوں گے۔

واٰتوا الیتامیٰ اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تأکلوا اموالھم الی اموالکم انہ کان حوباً کبیرا. (النساء: ۲)

ترجمہ: یتیموں کو ان کا مال دو اور ان کے اچھے مال کو اپنے برے مال سے بدلا نہ کرو اور نہ اپنے مال کے ساتھ ملا کر ان کا مال کھاؤ، یہ بڑے گناہ کی بات ہے۔

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن. (الانعام: ۲)

ترجمہ: اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین (حلال) ہو۔

یہ تو صاحب ثروت یتیموں کا معاملہ ہے، ورنہ غریب و مفلس یتیموں کی تربیت، دیکھ بھال، تعاون اور مدد مسلمانوں کا فرض ہے۔ قرآنِ کریم کی دسیوں آیات میں اس کی تاکید آئی ہے، اور یتیموں کو خیرات وصدقات کا اہم ترین مصرف قرار دیا گیا ہے، اور حسن سلوک کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو یتیموں کی اہمیت کا علم ہوتا ہے، کبھی آپ نے فرمایا:

انا و کافل الیتیم له ولغیره فی الجنة ھکذا. (بخاری شریف)

ترجمہ: میں اور اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح پاس پاس ہوں گے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے بتایا، اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔

کبھی فرمایا:

من اٰویٰ یتیماً الی طعامه وشرابه اوجب اللہ له الجنة البتة الا ان یعمل ذنباً لا یغفر. (ترمذی شریف)

ترجمہ: اللہ کے جس بندے نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم بچے کو لے کر اپنے خورد ونوش میں اسے شریک کر لیا تو اللہ اسے ضرور جنت میں داخل فرمائے گا، الا

یہ کہ اس نے کوئی نا قابل معافی جرم کیا ہو۔

کہیں فرمایا:

من مسح رأس يتيم له لم يمسحه الا للّٰه كان له بكل شعرة تمرّ عليها يده حسنات، ومن احسن الى يتيمة او يتيم عنده كنت انا وهو فى الجنة كهاتين. (ترمذی شریف)

ترجمہ: جس نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لئے ہاتھ پھیرا تو اس کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا ہر ہر بال کے حساب سے اس کی نیکیاں ہوں گی، اور جس نے اپنے پاس رہنے والی کسی یتیم بچی یا بچے کے ساتھ حسن سلوک کیا تو میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے۔

کہیں فرمایا:

خير بيت فى المسلمين بيت فيه يتيم يحسن اليه، وشر بيت فى المسلمين بيت فيه يتيم يساء اليه. (ابن ماجہ شریف)

ترجمہ: مسلمانوں کا سب سے بہترین گھرانہ وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو، اور بدترین گھرانہ وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سخت دلی کی شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ:

امسح رأس اليتيم واطعم المسكين. (مسند احمد)

ترجمہ: یتیموں کے سروں پر محبت سے ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔

اکرام یتیم کا تصور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے پیش کیا، اس نے معاشرہ میں یتیموں کے تعلق سے انقلاب برپا کر دیا، سخت دل انسان یتیموں کے لئے نرم دل بن گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کسی یتیم کو ساتھ لئے بغیر کھانا ہی نہ کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یتیم نے ایک شخص پر کھجور کے باغ کے متعلق دعویٰ پیش کیا، دعویٰ ثابت نہ ہوسکا، مدعی علیہ کو باغ مل گیا، مدعی یتیم رو پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر رحم آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی علیہ سے کہا کہ یہ باغ تم اسے دے دو، جنت میں اللہ تم کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا، مدعی علیہ اس پر تیار نہ ہوا، ایک صحابی حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ حاضر تھے، انہوں نے مدعی علیہ سے کہا کہ تم اپنا یہ باغ میرے باغ سے بدل لو، مدعی علیہ تبدیلی پر تیار ہوگیا، ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے باغ بدل کر فوراً وہ باغ یتیم کو ہدیہ کر دیا۔

(الاستیعاب لابن عبدالبر)

سیرت رسول وصحابہ میں اس جیسے بہت سارے نمونے ہیں، جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا فیض یتیموں پر پوری طرح برسا، یتیموں کو ان کے وہ تمام حقوق ملے جو دنیا کے کسی اور مذہب اور نظریے میں تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتے، یہ تو صرف اسلام ہے، جس نے بے کس و بے بس یتیموں کو سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر سہارا اور آسرا دیا ہے۔

احترام رسول ﷺ کے

قرآنی احکام و ہدایات

قرآنِ کریم نے امت محمدیہ کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکرام و تعظیم اور ادب واحترام کا معاملہ کرنے کا مختلف مقامات پر حکم فرمایا ہے، اور یہ تاکید کی ہے کہ کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے پائے جو خلافِ ادب اور مقام نبوت سے فروتر ہو، ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم مسلمانوں کو ہے، قرآن کریم کے غائرانہ مطالعہ سے اس کے پانچ گوشے سامنے آتے ہیں۔ زیر نظر مقالے میں انہیں کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے:

(۱) نام لے کر پکارنے کی ممانعت

قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

لا تجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضاً. (النور: ۳)

ترجمہ: تم رسول کو اس طرح سے نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو آپس میں بلاتے ہو۔

اس آیت کے تین مطلب ہوسکتے ہیں:

(۱) رسول کے بلانے کو عام آدمی کے بلانے کی طرح نہ سمجھو؛ بلکہ رسول کا بلانا بہت اہمیت رکھتا ہے، رسول کا بلانا ایک حاکمانہ حیثیت رکھتا ہے۔

(۲) رسول کی دعا کو عام آدمیوں کی دعا کی طرح نہ سمجھو، نبی کی دعا سے بڑی کوئی نعمت اور ان کی بددعا سے بڑی کوئی بدقسمتی نہیں۔

(۳) رسول کو عام آدمیوں کی طرح نہ پکارو، انتہائی ادب سے تعظیمی الفاظ کے ساتھ

پکارا کرو، یہ تیسرا مطلب زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا محمد، یا أبا القاسم" کے الفاظ سے خطاب کرتے تھے، اللہ نے اپنے نبی کی تعظیم کے پیش نظر لوگوں کو اس طرح خطاب کرنے سے منع کر دیا اور "یا نبی اللہ، یا رسول اللہ" کے الفاظ کہنے کا حکم دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ۱۳۰/۵)

مفسر قتادہ نے فرمایا: "اس آیت کے ذریعہ اللہ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ اس کے نبی کی عظمت واحترام اور رعب وہیبت اور عزت وجلال دلوں میں راسخ رہے"۔ (ایضاً)

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ:

"دلوں میں احترام رسول کے جذبات کا موجزن رہنا ضروری ہے، پیغمبر علیہ السلام کی شان میں نکلنے والے زبان کے ہر کلمہ سے احترام وعظمت ٹپکنا ضروری ہے، مربی کے لئے وقار وہیبت لازمی ہے، اس کا متواضع ونرم خو ہونا اپنی جگہ، مگر متبعین کے قلوب میں اس کی عظمت اور زبان سے اس کا اظہار بنیادی اہمیت رکھتا ہے"۔ (فی ظلال القرآن ۳۵۳۵/۴)

آیت کا پیغام مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں یہ ہے کہ: "اللہ کے رسول کے بلانے کو ویسا بلانا نہ سمجھو جیسا آپس میں ایک دوسرے کا بلاوا سمجھتے ہو، اس کی ہر صدا تمہارے لئے قانون ہے اور ہر بلاوا واجب التعمیل، یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جو شخصیت جماعت کی ہدایت وقیادت کا مرکز ہو، ضروری ہے کہ اس کی صدائیں احترام کے ساتھ سنی جائیں، ورنہ نظم جماعت درہم برہم ہوجائے گا۔ (ترجمان القرآن، مولانا آزاد ۱۰۰۶/۲)

(۲) پیش قدمی سے ممانعت

قرآن میں وارد ہوا ہے:

یایها الذین امنوا لا تقدموا بین یدی الله ورسوله واتقوا الله، ان الله سمیع علیم. (الحجرات: ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی مت

کرو، اور اللہ سے ڈرو، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سلف کے مختلف اقوال ہیں، چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

حضرت ابن عباسؓ اس کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ قرآن وسنت کی مخالفت نہ کرو اور ان کے خلاف نہ کہو۔ (جامع البیان طبری ۲۶؍۷۴)

ضحاک نے کہا کہ جہاد اور احکام شرعیہ کے باب میں خدا اور رسول کے حکم کے علاوہ کوئی فیصلہ از خود نہ کرو۔ (تفسیر بغوی ۴؍۲۰۹)

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ''اپنی جنگوں میں اور اپنے دینی معاملات میں اللہ ورسول کے فیصلے سے قبل جلد بازی میں کوئی فیصلہ مت کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا اور رسول کے منشا اور حق کے خلاف کچھ کر بیٹھو۔ ﴿لا تقدموا﴾ کی تعبیر عرب میں امر ونہی کے باب میں جلد بازی کرنے کے معنی میں آتی ہے''۔ (جامع البیان ۲۶؍۷۴)

مفسر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اللہ ورسول سے قولاً وفعلاً سبقت مت کرو، رسول سے سبقت اللہ سے سبقت ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں''۔ (الجامع لاحکام القرآن قرطبی ۱۶؍۳۰۰)

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ہر معاملہ میں اللہ ورسول کے تابع ہو جاؤ۔

(تفسیر ابن کثیر ۴؍۲۲۰)

ان مختلف اقوال میں کوئی تعارض نہیں، آیت میں ہر نوع کی سبقت وپیش قدمی سے منع کر دیا گیا ہے، اور ہر معاملہ میں اللہ ورسول کے فیصلے کو اپنی رائے پر مقدم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، آیت کو دیکھا جائے تو بظاہر اس چیز کی صراحت نہیں ملتی جس میں پیش قدمی سے روکا جا رہا ہے، اس طرح یہ اشارہ کر دیا گیا کہ ہر چیز میں پیش قدمی ممنوع ہے، حکم عام ہے۔ آپ سے آگے چلنا، آپ سے پہلے کھانا شروع کر دینا سب اس میں داخل ہیں، ہاں جب صراحت کے ساتھ آپ پیش قدمی کی اجازت دیں تب گنجائش ہے، گویا اس آیت کا پیغام کامل اتباع اور اپنے اجتہاد پر کتاب وسنت کو مقدم رکھنا اور سب سے پہلے ان کی طرف رجوع کرنا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو دریافت کیا کہ تم کس چیز کے مطابق فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملے تو کس طرف رجوع کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ سنت رسول اللہ کی طرف، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ حکم سنت میں بھی نہ ملے تو کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ پھر میں اجتہاد کروں گا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو اس طریقہ کی توفیق عطا کی جو اس کے رسول کو محبوب ہے۔ (سنن ابی داؤد کتاب الاقضیۃ)

اس واقعہ سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی کامل پیروی اور کتاب وسنت کی طرف اولین رجوع وتقدیم کے عزم کا علم ہو رہا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنا نام اپنے رسول کی تعظیم وتکریم کے لئے ذکر فرمایا ہے، اور یہ اشارہ کر دیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے پیش قدمی کرنا اللہ کی بے ادبی ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وعمل عین امر الٰہی ہے۔

بہر حال احترام وتعظیم کا واجبی تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی نہ کی جائے، بندہ کی سعادت وفلاح کا دارومدار اسی ادب واطاعت پر ہے۔

(۳) بلند آواز میں بولنے سے ممانعت

ارشاد ربانی ہے:

یایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون. (الحجرات: ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو،

کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا دھرا سب اکارت اور غارت ہو جائے اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

اس آیت کریمہ میں ایک طرف مجلس رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آواز بلند کرنے سے اور دوسری طرف نبی سے بلند آواز میں گفتگو کرنے سے منع فرمادیا گیا ہے؛ کیوں کہ یہ حرکت بے احترامی اور ناقدری کا ثبوت ہوتی ہے، اس لئے اس سے روکا گیا ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کو ملحوظ رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

آیت میں یہ حقیقت واضح کردی گئی ہے کہ دین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے عالی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی انسان کتنا ہی محترم کیوں نہ ہو؟ مگر اس کی بے احترامی عند اللہ اس سزا کی مستحق نہیں ہوتی جو کفر کی ہے؛ بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے ایک ناشائستہ طرز عمل اور بدتہذیبی قرار دیا جاتا ہے، مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واکرام میں ادنی سی کمی اور کوتاہی اتنا بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے کہ اس سے انسان کی زندگی بھر کی کارکردگی اور کمائی تباہ اور اکارت ہوسکتی ہے، اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام درحقیقت خداوند قدوس کا اکرام ہے، اور آپ کی بے ادبی ذاتِ الٰہی کی بے ادبی کے ہم معنی ہے۔ اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست آوازی دلوں میں موجود تقویٰ کی علامت ہے، اور اندر کی پاکیزگی کا ثبوت ہے، اس سے خود یہ واضح ہوتا ہے کہ بلند آوازی اندرون کی پلیدی اور قلب وباطن کے محرومِ تقویٰ ہونے کی دلیل ہے۔

اس آیت کے شانِ نزول کے تعلق سے یہ واقعہ مشہور ہے کہ بنو تمیم کا ایک قافلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے کہ قعقاع بن معبد کو ان کا امیر بنادیجئے، عمر بولے کہ اقرع بن حابس کو بنادیجئے۔ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ تم نے تو بس میری مخالفت ہی پر کمر باندھ رکھی ہے، عمر نے کہا کہ میں آپ کی مخالفت نہیں کرتا؛ بلکہ میری رائے ہی یہی ہے، ان دونوں میں جھگڑا بڑھ گیا، حتی کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(بخاری شریف)

روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنی آہستہ گفتگو کرنے لگے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دوبارہ دریافت نہ فرماتے کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ثابت بن قیس انصار کے خطیب تھے، جب یہ آیت اتری تو اپنے گھر میں بیٹھے رہے، اور مجلس رسول میں آمد و رفت بند کردی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا، حضرت سعد حضرت ثابت کے پاس آئے تو انہوں نے بتایا کہ بلند آواز سے بولنا ممنوع ہوگیا ہے، اور تمہیں معلوم ہے کہ دربار رسول میں تم میں سب سے زیادہ بلند آواز میری ہی ہوجاتی ہے، مجھے خدشہ ہے کہ کہیں میں دوزخی تو نہیں ہوں؟ جب یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخی نہیں جنتی ہیں۔ (مسلم شریف)

ثابت بن قیس قدرۃً بلند آواز تھے، یہ سن کر ڈر گئے اور سمجھے کہ بارگاہِ نبوت میں یہ گستاخی مجھ سے بارہا سرزد ہوچکی ہے، اس لئے میرا اب ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی تو ان کی اس ادا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا اور آپ نے اس ادب کی وجہ سے جس سے ان کا قلب معمور تھا، ان کو جنت کی بشارت سنادی، اور ان کی اس بلند آوازی کو جو قدرۃً تھی، قابل عفو سمجھا۔ معلوم ہوا کہ ادب کا اصل دار و مدار قلب پر ہے، پھر ظاہر میں اس کے لئے کچھ علامات بھی مقرر ہیں، اگر قلب کی گہرائیوں میں ادب موجود ہے تو ظاہر کی فروگذاشت سے اغماض کیا جاسکتا ہے۔ (ترجمان السنۃ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ ۱/۳۷۲)

امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''موت کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اسی طرح ضروری ہے جیسا زندگی میں ضروری تھا، جب بھی ان کی حدیث پڑھی جائے، ہر سننے والے کو ادب سے سننا ضروری ہے، اور بلند آوازی اور اعراض ممنوع ہے''۔ (احکام القرآن ابن عربی ۱۷۱۴/۴)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ''روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی بلند

آوازی ممنوع ہے، احترام ضروری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بھی قابل احترام ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بآواز بلند باہم مباحثہ کرنے والے دو آدمیوں پر سخت نکیر اسی لئے فرمائی تھی، اور ان کو سختی سے منع کیا تھا''۔(تفسیر ابن کثیر ۴/۲۲۲)

آیت مذکورہ کی اصل روح وپیغام بیان کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی نے تحریر کیا ہے کہ:

''آواز بلند کرنے کا ذکر انسان کے باطن کے ایک مخبر کی حیثیت سے ہوا ہے، جو شخص کسی کی آواز پر اپنی آواز بلند رکھنے کی کوشش کرتا ہے اس کا یہ عمل شہادت دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے اونچا خیال کرتا ہے، یہ چیز اکتسابِ فیض کی راہ بالکل بند کردیتی ہے۔ اسی طرح اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کسی نے یہ روش اختیار کی تو وہ صرف رسول ہی کے فیض سے نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بھی محروم ہوجائے گا؛ اس لئے کہ رسول، اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے۔

(تدبر قرآن، مولانا امین اصلاحی ۷/۴۸۹-۴۹۰)

(۴) سرگوشیوں کے ذریعہ پریشان کرنے سے ممانعت

فرمانِ خداوندی ہے:

یایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ، ذٰلک خیر لکم واطھر، فان لم تجدوا فان اللہ غفور رحیم.

(المجادلۃ: ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو اور تخلیہ میں بات کرو تو سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دو، یہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے؛ البتہ اگر تم صدقہ دینے کے لئے کچھ نہ پاؤ، تو اللہ غفور رحیم ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادے کے لئے اہل اسلام ہمہ وقت خواہاں رہتے تھے، عام مجالس کے علاوہ بہت سے لوگ خفیہ طور پر علیحدگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو

چاہتے تھے، اور آپ سب کو وقت دے دیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بے حد مشغول تھی اور ہر ایک کو وقت الگ سے دینا مشکل تھا، پھر بعض منافقین بلا وجہ شرارت کے لئے آپ سے خفیہ بات کرتے، کچھ سادہ لوح مسلمان غیر اہم امور کے لئے خفیہ بات کرتے اور مجلس طویل کر دیا کرتے تھے۔ مروۃً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب کو وقت دے رہے تھے، مگر یہ چیز آپ کے لئے باعث اذیت تھی۔ خداوند قدوس نے آپ کو اس اذیت سے بچانے کے لئے ابتداءً مذکورہ آیت میں سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کرنے کا حکم دیا، چناں چہ اس حکم کے آنے کے بعد سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دینار صدقہ دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کی، یہ حکم چند ہی دنوں کے بعد منسوخ ہو گیا اور اگلی آیت میں فرمادیا گیا کہ:

أ أشفقتم ان تقدموا بين يدى نجواكم صدقات، فاذ لم تفعلوا وتاب الله عليكم، فاقيموا الصلاة واتوا الزكاة، واطيعوا الله ورسوله، والله خبير بما تعملون. (المجادلة: ١٣)

ترجمہ: کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے خیرات دینے سے ڈر گئے، سو جب تم نہ کر سکے اور اللہ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی، تو تم نماز کے پابند رہو، اور زکوٰۃ دیا کرو، اور اللہ و رسول کا کہنا مانو اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔

صاحب معارف القرآن نے لکھا ہے:

''یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا، مگر جس مصلحت کے لئے جاری کیا گیا تھا، وہ اس طرح حاصل ہو گئی کہ مسلمان اپنی دلی محبت کے تقاضہ سے ایسی مجلس طویل کرنے سے بچ گئے، اور منافقین اس لئے کہ عام مسلمانوں کے طرز کے خلاف ہم نے ایسا کیا تو ہم پہچان لئے جاویں گے اور نفاق کھل جاوے گا''۔ (معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۸/۳۴۸)

سرگوشی سے پہلے صدقہ کی اس حکم کی حکمتوں کے ذیل میں امام رازیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''اس حکم کا پہلا فائدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ سے خفیہ

گفتگو کی اہمیت کا اظہار تھا، انسان جب مشقت کے بعد کچھ پاتا ہے تو اسے اہمیت دیتا ہے، اور جب بآسانی پاجاتا ہے تو اسے معمولی سمجھتا ہے، صدقہ کے بعد سرگوشی ہوگی تو اس کی اہمیت کا احساس زیادہ ہوگا۔ اس حکم کا دوسرا فائدہ بہت سے فقراء کے نفع وفائدہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس کا تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ آخرت کی محبت کرنے والے دنیا کی محبت کرنے والوں سے ممتاز ہوگئے، جنہوں نے صدقہ دیا انہوں نے عملی طور پر آخرت سے محبت اور دنیا سے بیزاری کا ثبوت دے دیا۔ چوتھا فائدہ آپ کی راحت وآرام کی رعایت اور اذیت وتکلیف سے بچاؤ کی شکل میں ظاہر ہوا''۔

(التفسیر الکبیر للرازی ۱۵/۲۷۲)

حاصل یہ ہے کہ اس حکم کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام وادب اور آپ کے اوقات کی رعایت ولحاظ کا سبق دیا گیا ہے۔

(۵) خانۂ رسول ﷺ کے سلسلہ میں ہدایات

اہل ایمان سے فرمایا جارہا ہے:

لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام غیر ناظرین اناہ، ولکن اذا دعیتم فادخلوا، فاذا طعمتم فانتشروا، ولا مستأنسین لحدیث، ان ذٰلکم کان یؤذی النبی فیستحی منکم، واللّٰہ یستحیی من الحق، واذا سألتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب، ذٰلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن، وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللّٰہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً، ان ذٰلکم کان عند اللّٰہ عظیماً، ان تبدوا شیئاً او تخفوہ فان اللّٰہ کان بکل شیئ علیماً. (الاحزاب: ۵۳-۵٤)

ترجمہ: نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ آیا کرو، مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو؛ لیکن جب تم کو

بلایا جائے تب جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر بیٹھے مت رہا کرو، اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے، مگر وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ صاف صاف بات کہنے سے کسی کا لحاظ نہیں کرتا، اور جب تم ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو، یہ بات تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا ذریعہ ہے، اور تم کو جائز نہیں کہ تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو، یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری معصیت کی بات ہے، اگر تم کسی چیز کو ظاہر کروگے یا اس کو پوشیدہ رکھوگے تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

اس آیت میں چار امور کی تلقین کی گئی ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ اہل ایمان کو بلا اجازت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں اور مکانات میں داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے، اور یہ واضح فرمادیا گیا ہے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر کھانے پر مدعو ہوں وہ کھانا تیار ہونے سے پہلے آکر اہل خانہ کو ضیق میں نہ ڈالیں، کھانا پکنے کے بعد جب بلایا جائے تب آئیں۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ کھانے سے فراغت کے بعد لوٹ جائیں اور لمبی مجلسوں اور مذاکرہ کے ذریعہ ایذاءِ رسول کے مرتکب نہ ہوں۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ ازواج مطہرات سے پردہ کے باہر ہی سے گفتگو کریں، پردے کا حکم ہر مسلمان عورت کے لئے عام ہے، یہاں ازواجِ مطہرات کا ذکر خاص پس منظر کے ذیل میں آگیا ہے، گویا الفاظ خاص ہیں اور حکم عام ہے۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ کسی مسلمان کے لئے ازواج مطہرات سے کبھی بھی نکاح جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ ماؤں کے درجہ میں ہیں، غور کیا جائے تو یہ سارے احکام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام وتعظیم سے متعلق نظر آتے ہیں۔

مذکورہ بالا پانچوں گوشے امت کے ہر فرد کو ہر طرح سے اور ہر وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واکرام ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان آیات واحکام پر عمل کرکے اور تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرکے پوری امت کے سامنے نمونہ پیش کردیا ہے۔ مثال کے طور پر اس واقعہ کا ذکر کافی ہے کہ سن ۷ ہجری میں جب قریش نے عروہ بن مسعود کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا، تو اس نے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں آپ کی حیرت انگیز تعظیم کا جو نقشہ دیکھا، اس طرح بیان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے ہیں، تو آپ کے وضو کے پانی پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، آپ کا تھوک گرتا ہے تو صحابہ ہاتھوں ہاتھ لے کر اپنے چہروں اور جسموں پر مسل لیتے ہیں، جب آپ کا کوئی بال گرتا ہے تو جلدی سے اس کو لپک لے جاتے ہیں، جب آپ کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل میں دوڑ پڑتے ہیں، جب آپ بات کرتے ہیں تو ان پر خاموشی چھا جاتی ہے، کوئی شخص نظر بھر کر آپ کی طرف دیکھ نہیں سکتا، عروہ جب واپس ہوا، تو اس نے کہا اے گروہِ قریش! میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، خدا کی قسم کسی بادشاہ کو اپنی رعایا کے درمیان اتنا باعظمت وبارعب نہیں دیکھا، جتنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رفقاء کے درمیان باعظمت وبارعب دیکھا ہے۔ (بخاری شریف)

یہ واقعہ اس جذبۂ ادب واحترام کی ایک واضح مثال ہے، جو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں میں آپ کے تئیں موجود تھا، اور اسی جذبہ سے سرشاری کا ہر مسلمان کو حکم ہے اور یہی ایمانی وقرآنی مطالبہ اور تقاضا بھی ہے۔

اسوۂ رسول ﷺ کے روشن عناوین

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کا طریقۂ زندگی اور آپ کی سنت حسنہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

المعرفة رأس مالی، والعقل اصل دینی، والحب اساسی، والشوق مرکبی، وذکر اللّٰه انیسی، والثقة کنزی، والحزن رفیقی، والعلم سلاحی، والصبر ردائی، والرضا غنیمتی، والعجز فخری، والزهد حرفتی، والیقین قوتی، والصدق شفیعی، والطاعة حسبی، والجهاد خلقی، وقرة عینی فی الصلاة. (کتاب الشفاء قاضی عیاضؒ)

ترجمہ: معرفت میرا سرمایۂ زندگی ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری زندگی کی بنیاد ہے، شوق میرا راہوار ہے، ذکر اللہ میرا مونس ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، غم میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری توانائی ہے، صدق میرا حامی اور سفارشی ہے، طاعت الٰہی میرے لئے بس ہے، جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سترہ نکات کا ذکر فرمایا، ان میں ہر نکتہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، کتابِ زندگی کے یہ سترہ باب ہیں، جن پر عمل کر کے انسان اپنی زندگی قابلِ صد فخر و رشک بنا سکتا ہے، اور اپنے کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ ذیل میں ہم ان سترہ نکات کو اختصار کے ساتھ واضح کرتے ہیں:

(۱) معرفت میرا سرمایۂ زندگی ہے

معرفت کے معنی پہچاننے کے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو اپنے نفس کی معرفت ہے، دوسرے خدا کی معرفت ہے۔ نفس کی معرفت کو عرفانِ خودی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، انسان اگر بالکل غیر جانب دار ہوکر عرفانِ خودی میں مشغول ہوتو وہ آپ سے آپ معرفت خدا تک پہنچ جاتا ہے۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ.

ترجمہ: جس کو خودی کا عرفان حاصل ہوگیا اسے خدا کا عرفان حاصل ہوگیا۔

انسان عالم اصغر ہے، کائنات کی ہر چیز کا نمونہ اس کی اپنی ذات میں موجود ہے، اگر وہ اپنی ذات میں تفکر کرے تو اسے اپنی عبدیت اور اللہ کی الوہیت ومعبودیت کا ناقابل شکست یقین حاصل ہوتا ہے، قرآن میں مختلف موقعوں پر معرفت خدا اور قبولِ حق کی دعوت کے ذیل میں انسان کو دلائل آفاق کے ساتھ ہی دلائل انفس کی مدد سے سمجھایا گیا ہے، انسان کو اپنی ذات میں غور کرنے اور اللہ کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ تک رسائی کی کوشش کی طرف بلایا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

وفی الارض ایات للموقنین. وفی انفسکم افلا تبصرون.

(الذاریات: ۲۰-۲۱)

ترجمہ: زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، یقین لانے والوں کے لئے، اور خود تمہارے اپنے وجود میں بہت سی نشانیاں ہیں، کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟

بے نظیر ساخت کا جسم، حیرت انگیز قوتیں، دماغ ودل، عقل وفکر، تخیل وشعور، ارادہ وحافظہ، احساسات وجذبات، خواہشات ومیلانات، سماعت وبصارت، قوتِ شامہ وذائقہ، زبان وگویائی، اور نہ جانے کتنی نعمتیں اس انسان کو دی گئی ہیں، جو قدرتِ الٰہی کی جیتی جاگتی نشانیاں ہیں، پھر ان قوتوں اور اختیارات کے ساتھ ہی کائنات کی ہر چیز انسان کی خادم وتابع بنائی گئی ہے۔ چاند وسورج، لیل ونہار، صبح وشام، بحر وبر؛ بلکہ زمین اور آسمان کی تمام چیزیں انسان کے لئے مسخر ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ:

اللّٰہ الذی خلق السمٰوات والارض وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم، وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھٰر، وسخر لکم الشمس والقمر دائبین، وسخر لکم اللیل والنھار، واتاکم من کل ما سألتموہ، وان تعدوا نعمۃ اللّٰہ لا تحصوھا. (ابراھیم: ٣٢-٣٤)

ترجمہ: اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے، جس نے کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لئے مسخر کیا، جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جارہے ہیں، اور رات و دن کو تمہارے لئے مسخر کیا، جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا، اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔

انسان اگر خودی کے عرفان کی کوشش کرے گا تو ان تمام حقیقتوں تک اس کی رسائی ہوگی، خدا کی وہ نعمتیں جو اس کے وجود پر ہر آن برس رہی ہیں، اس کے دل میں شکر و عمل کے جذبات بیدار اور اس کی ذات میں مخفی صلاحیتوں کو قوت سے فعل میں لانے کی روح (Spirit) پیدا کریں گی، اور عرفانِ خودی کی بدولت اسے عرفانِ خدا کی دولت بے بہا میسر آئے گی اور فکر و عمل کی تمام پر پیچ راہوں میں حق کی سیدھی شاہراہ پر اس کے پاؤں جمے رہیں گے، اور وہ ناشکری، بے عملی اور بدعملی کی بدترین لعنتوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ ہوجائے گا، جب کہ عرفانِ خودی کی دولت سے محرومی کے نتیجہ میں انسان معرفت رب سے بھی محروم رہ جاتا ہے، امتوں کے زوال وادبار اور غیروں کی اسیری اور دریوزہ گری کے پیچھے کارفرما سب سے اہم عامل اور سبب خودی کی معرفت سے محرومی ہے۔ زندگی، حرکت، گرمیٔ رفتار، آبرو، شاہی، سرداری اور آزادی کی تمام تر خوبیاں عرفانِ خودی کی رہین منت ہوتی ہیں۔ اقبال نے اسی کو واضح کیا ہے:

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی
سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے

خودی اور خدا کی معرفت افراد واقوام کی زندگی کا حقیقی سرمایہ اور حاصل ہے، معرفت الٰہی جس دل کو حاصل ہوجاتی ہے وہ توحید کا سچا علم بردار بن جاتا ہے، وہ شرک کی تمام جلی وخفی، عیاں ونہاں صورتوں سے آخری حد تک گریزاں اور نفور ہوجاتا ہے، پھر وہ اللہ کے اخلاق واوصاف کو اپنانا اور ان کا پرتو بننا چاہتا ہے، وہ اپنی حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ اللہ کے رنگ میں رنگ لیتا ہے، اور ظاہر ہے کہ:

ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ۔ (البقرۃ)

ترجمہ: اللہ کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا؟

(۲) عقل میرے دین کی اصل ہے

عقل سلیم دین کی جڑ ہے، وہ کلیدی اہمیت کی حامل ہے، بے عقل افراد واقوام بے مقصد زندگی گذارتے ہیں، دین کی بقاء وارتقاء کا دار ومدار عقل سلیم ہے۔ قرآن میں جابجا اللہ نے قرآن میں، اپنی نعمتوں میں، اپنی قدرت کے کمالات میں، آفاق وانفس میں، تاریخ عالم اور تاریخ اقوام وملل میں، امتوں کے اسبابِ عروج وزوال میں، تدبر وتفکر اور عقل کے استعمال کی اسی لئے دعوت وتاکید فرمائی ہے کہ اس کی مدد سے انسان حقیقت تک رسائی حاصل کر سکے گا، اور اپنے عمل کے لئے راہیں متعین کرے گا، عبرتیں حاصل کرے گا، سبق لے گا، وہ عقل کا استعمال کرے گا تو دل کی ناجائز خواہشات کے ہاتھوں میں اپنی لگام اور باگ نہیں دے گا، اس کے نفس کا سرکش گھوڑا اس کی عقل

سلیم کے قبضہ میں ہوگا، نفس امارہ کی پیروی سے وہ دور رہے گا۔ اللہ نے بے عقلوں کے بارے میں فرمایا:

ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون. (یونس: ۱۰۰)

ترجمہ: جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اللہ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے۔

واضح فرمایا گیا کہ جو طالب حق نہ ہو اور اپنی عقل کو تعصّبات کی تاریکیوں میں چھپائے ہوئے ہو یا جستجوئے حقیقت میں بالکل عقل کا استعمال ہی نہ کرے تو اس کے لئے اللہ کے ہاں ضلالت وجہالت اور محرومی وغلط کاری کی غلاظت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، وہ اپنے کو اسی نجاست کا اہل بناتا ہے اور یہی اس کی قسمت میں لکھی جاتی ہے۔

عقل سے کام نہ لینا فی الواقع دل کی نابینائی اور کجی کی وجہ سے ہوتا ہے، کفار کے انکار حق کے تذکرہ کے ذیل میں قرآن نے اس کی وضاحت فرمائی ہے:

أفلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا او اذان یسمعون بھا، فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور. (الحج: ٤٦)

ترجمہ: کیا یہ کافر زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے خاص بندوں کے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے، ان اوصاف میں ایک وصف یہ بھی ہے:

والذین اذا ذکروا بأیات ربھم لم یخروا علیھا صماً وعمیاناً.

(الفرقان: ۷۳)

ترجمہ: اگر ان کے رب کی آیات سنا کر انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر

اندھے اور بہرے بن کر نہیں گرتے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معارف وحقائق کی طرف سے اندھے بہرے نہیں ہوجاتے؛ بلکہ عقل وفہم کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے اور تعمیل حکم میں لگ جاتے ہیں، انہیں بہ گوشِ قبول سنتے اور بہ چشم عبرت دیکھتے ہیں۔ (تفسیر ماجدی ۵۲۵/۳)

اہل ایمان اللہ کی آیات اور احکام کی طرف اندھوں اور بہروں کی طرح نہیں؛ بلکہ دانا وبینا وشنوا انسان کی طرح متوجہ ہوتے، غور کرتے اور عمل کرتے ہیں، اللہ نے عقل کو علم کا اہم ترین ذریعہ بنایا ہے، حواسِ خمسہ کی پرواز جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے عقل کا دائرۂ کار شروع ہوتا ہے؛ لیکن اللہ نے عقل کا دائرہ غیر محدود نہیں؛ بلکہ محدود ہی رکھا ہے، اس کا دائرہ متعین ہے، دائرہ سے باہر عقل صحیح رہنما نہیں ہوتی؛ بلکہ گمراہی میں لے جاتی ہے، عقل کی پرواز جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے وحی الٰہی کا دائرہ شروع ہوتا ہے، دائرہ میں عقل کا استعمال شرع کا مطلوب ہے، عقل کا بالکل استعمال نہ کرنا یا دائرہ سے باہر استعمال کرنا افراط وتفریط میں داخل ہے، جو قابل مذمت امر ہے۔ عقل کو سلیم اسی وقت قرار دیا جائے گا جب وہ اعتدال سے آراستہ اور افراط وتفریط سے دور ہو، شریعت میں یہی عقل مطلوب ومحمود اور اصل وبنیاد قرار دی گئی ہے۔

(۳) محبت میری زندگی کی بنیاد ہے

اللہ کی محبت اور اللہ کی خاطر اور اس کی رضا جوئی کے لئے اس کے بندوں سے محبت ایمان کا اہم ترین حصہ ہے، نوع انسانی سے مواسات وہمدردی کا معاملہ، عدل واحسان اور اس کی خاطر ایثار وقربانی اور اپنوں وبیگانوں سب کے ساتھ رحمت کا معاملہ ایمان کا اہم مطالبہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اس پوری کائنات کے لئے سراسر رحمت تھی۔

تقویٰ اور خوفِ خدا فی الواقع محبت کا نتیجہ ہوتا ہے، اللہ سے محبتِ خاطر اور اس کی خوشنودی کے حصول کی غرض سے انسان راہِ تقویٰ پر گامزن ہوتا ہے، دوسری طرف اپنی ذات اور اپنے اہل

وعیال اور خلق خدا سے سچی محبت کی بنیاد پر انسان خود بھی عذابِ جہنم سے بچنا اور دوسروں کو بچانا چاہتا ہے؛ اسی لئے وہ خود تقویٰ اختیار کرتا ہے، اور دوسروں کو تلقین کرتا ہے اور قرآن کی اس آیت پر عمل کرتا ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

یایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارۃ. (التحریم: ٦)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔

مختلف احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ ایمان کی حلاوت ولذت اور چاشنی وشیرینی اسی صورت میں میسر آئے گی جب اللہ ورسول کی محبت ہر ماسوا سے کہیں زیادہ دلوں میں جاگزیں ہوگی۔ اور ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین. (صحیح البخاری)

ترجمہ: تم میں سے کوئی مؤمن ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کی نگاہ میں اس کے والدین، اولاد، اعزہ واقارب اور پوری کائنات سے زیادہ محبوب وعزیز نہ ہو جاؤں۔

قرآنِ کریم میں ان لوگوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے جو اللہ ورسول کی محبت پر دوسروں کی محبتوں کو برتر قرار دیتے ہوں۔ فرمایا گیا:

قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یأتی اللہ بامرہ.

(التوبۃ: ٢٤)

ترجمہ: اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور بیویاں اور عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے پسندیدہ گھر تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں، تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے۔

مولانا آزادؒ اس آیت کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

''یہ آیت مہمات مواعظ میں سے ہے اور اس باب میں قطعی ہے کہ اگر حب ایمانی وغیر ایمانی میں مقابلہ ہوجائے تو مؤمن وہ ہے جس کی حب ایمانی پر دنیا کی کوئی اور محبت اور علاقہ بھی غالب نہ آسکے.....محبت ایمانی کی اس آزمائش میں صحابہ کرام جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے، اور محتاج بیان نہیں، بلا شائبہ مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا صحابہ نے اللہ کے رسول سے راہِ حق میں کیا، انہوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کردیا جو انسان کرسکتا ہے، اور پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا، جو انسانوں کی کوئی جماعت پاسکتی ہے؛ لیکن آج ہمارا حال کیا ہے؟ کیا ہم میں سے کسی کو جرأت ہوسکتی ہے کہ یہ آیت اپنے سامنے رکھ کر اپنے ایمان کا احتساب کرے؟''۔ (ترجمان القرآن ۲/۲۵۳-۲۵۴ ملخصاً)

اللہ ورسول کی محبت کی سب سے بڑی علامت، شرط اور نتیجہ اطاعت و پیروی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

قل ان كنتم تحبون اللّٰه فاتبعوني يحببكم اللّٰه ويغفرلكم ذنوبكم، واللّٰه غفور رحيم. (آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری

پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

اس آیت میں دعوائے محبت کی جانچ کے لئے سب سے اچھا معیار یعنی ایمان واتباع بیان کیا گیا ہے، قرآن شاعرانہ محبت سے متوحش ہوتا ہے، وہ اسی محبت کو سند اعتبار بخشتا ہے جو اطاعت وانقیاد کی شکل میں رونما ہو۔

اللہ ورسول کی محبت کے سوا خلق خدا کی محبت بھی ایک مؤمن کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے، باہمی محبت کرنے والے بندوں سے اللہ بھی محبت کرتا ہے، اور انہیں قیامت کے روز عرشِ الٰہی کے سائے میں نور کے منبروں پر جگہ ملے گی، باہمی محبت کو پروان چڑھانے کا اہم نسخہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سلام کی ترویج واشاعت'' بتایا ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا:

والذی نفسی بیدہ لن تدخلوا الجنة حتی تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتی تحابوا، الا ادلکم علی شیئ اذا فعلتموہ تحاببتم، افشوا السلام بینکم. (صحیح مسلم)

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم جنت میں بلا ایمان داخل نہ ہوسکو گے، اور بغیر باہمی محبت کے تم مؤمن نہ ہوسکو گے، کیا میں تم کو وہ عمل نہ بتادوں جس کی بنیاد پر تم میں باہمی محبت پیدا ہوجائے، تم آپس میں سلام کو رواج دو۔

ایک دوسری حدیث میں اللہ ہی کے لئے محبت کرنے اور محبت ونفرت کے تمام جذبات مرضئ مولیٰ کے تابع کردینے کو کمالِ ایمان کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس کے ساتھ محبت اور حسن سلوک کا معاملہ اللہ کی توجہ اور رحمت ومحبت کے انجذاب کا اہم ترین باعث ہوتا ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر
خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

(۴) شوق میرا راہ وار ہے

سوزِ دروں، جذبِ اندروں، طلب وآرزو وہ عناصر ہیں جو کسی بھی مشن کی ترقی اور اشاعت کے لئے اساسی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشن سے بے پناہ عشق تھا، آپ کا مشن قرآن کی زبان میں الفاظ ومعانیٔ قرآن اور سنت کی تعلیم اور لوگوں کا تزکیہ تھا، اپنے اس مشن کی تکمیل کے لئے آپ کی دل سوزی اور شوق وعشق کا ذکر قرآن نے یوں کیا ہے کہ:

فلعلک باخع نفسک علی اٰثارھم ان لم یؤمنوا بھٰذا الحدیث اسفاً. (الکھف: ٦)

ترجمہ: شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھودیں گے، اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہیں لائے۔

مولانا آزاد کی زبان میں:

''انبیائے کرام ہدایت واصلاح کے صرف طالب ہی نہیں ہوتے، عاشق ہوتے ہیں، انسان کی گمراہی ان کے دلوں کا ناسور ہوتی ہے، اور انسان کی ہدایت کا جوش ان کے دل کے ایک ایک ریشے کا عشق، اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی غمگینی نہیں ہوسکتی کہ ایک انسان سچائی سے منہ موڑ لے، اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی شادمانی نہیں ہوسکتی کہ ایک گمراہ قدم راہِ راست پر آجائے''۔ (ترجمان القرآن ۳۴۸/۲)

دعوت وتبلیغ دین کے ہر کارکن کی ذمہ داری یہی ہے کہ اسی شوق فراواں، سوز وعشق اور تڑپ ولگن سے اپنے مشن کی اشاعت میں منہمک رہے، اور یہ وصف اگر میسر نہ آسکا تو پھر حیاتِ

انسانی جمودو تعطل اور انحطاط وزوال اور ضعف واضمحلال کی شکار ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کہ یہ شوق وعشق دعوتِ دین کی مقبولیت اور اثر آفرینی کے لئے بنیادی عنصر کا درجہ رکھتا ہے، اس لئے اسے اختیار کیا جائے۔

(۵) ذکراللہ میرا مونس ہے

واقعہ یہ ہے کہ ذکر الٰہی عبد ومعبود کے رشتہ کے استحکام ودوام کا سب سے قوی ذریعہ ہے، ذکر کے مفہوم میں ہر وہ چیز شامل ہے جس سے اللہ کا استحضار ہو، اور اس میں ہر وہ کام داخل ہے جو غفلت سے آزاد ہو کر کیا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر گوشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی واضح دلیل ہے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور ہر عمل میں اللہ کی رحمت وجلال کا ہر آن استحضار اور ذکر کے ذریعہ ہر دم اللہ سے ربط وتعلق بہت ہی روشن پہلو ہے، اسی لئے آپ نے ذکر الٰہی کو اپنا انیس اور بے پایاں مرغوب ومحبوب عمل قرار دیا ہے، جو آپ کے لئے باعث اطمینانِ قلب عمل تھا، اہل ایمان کا ایک بنیادی وصف یہ بھی ہے کہ ان کے دل ذکر الٰہی سے اطمینان وسکینت حاصل کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا گیا:

الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب. (الرعد: ۲۸)

ترجمہ: سنو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ذکر اللہ کے قربِ خاص کا اہم ترین وسیلہ ہے اور امت کے جن بے شمار بندوں کو قربِ خداوندی کی دولت بیش بہا میسر آئی ہے ان کی زندگیوں میں ذکر الٰہی کا پہلو بے حد نمایاں ہے۔

قرآنِ کریم کی مختلف آیات میں مؤمنوں کو بڑی تاکید کے ساتھ ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

یایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللّٰہ ذکراً کثیراً، وسبحوہ بکرۃً واصیلاً. (الاحزاب: ٤١-٤٢)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو۔

واضح کیا گیا کہ فلاح وکامیابی کثرتِ ذکر سے وابستہ ہے۔

واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون. (الجمعۃ: ١٠)

ترجمہ: اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

دنیوی لذتوں میں انہماک کی وجہ سے ذکر الٰہی سے غفلت خسارہ کا باعث ہے۔

یایھا الذین اٰمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذٰلک فاولٰئک ھم الخٰسرون. (المنافقون: ٩)

اے ایمان والو! تمہارے مال واولاد تم کو ذکر الٰہی سے غافل نہ کرنے پائیں، جو لوگ اس غفلت کا شکار ہوں گے وہی خسارے میں رہیں گے۔

ذکر الٰہی میں منہمک افراد اللہ کی بخشش اور نوازش سے بہرہ مند ہوں گے۔

والذاکرین اللّٰہ کثیراً والذاکرات اعد اللّٰہ لھم مغفرۃ واجراً عظیماً. (الاحزاب: ٣٥)

ترجمہ: کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں اور بندیوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور عظیم اجر تیار کر رکھا ہے۔

ذکر الٰہی ہر چیز سے بالاتر ہے۔

ولذکر اللہ اکبر. (العنکبوت: ٤٥)

ترجمہ: یقیناً اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے۔

اللہ کا ذکر اتنی اہم چیز ہے کہ جو بندہ اس میں مشغول رہتا ہے اللہ اس کو یاد رکھتا اور نوازتا ہے۔

فاذکرونی اذکرکم. (البقرۃ: ۱۵۲)

ترجمہ: میرے بندو! تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا۔

قرآن وحدیث کے نصوص یہ واضح کرتے ہیں کہ ذکر اللہ تمام اعمالِ صالحہ کی روح ہے، دلوں کی دنیا اسی سے آباد رہتی ہے، قلبی بیماریوں کے لئے وہی دوا اور شفا ہے، وہی عبد ومعبود کے مابین وسیلہ ربط ہے، ذکر میں مشغول افراد کو ملائکہ رحمت گھیر لیتے ہیں، ان پر رحمت خداوندی چھا جاتی ہے، ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، اللہ اپنے مقرب فرشتوں میں ان کا تذکرہ کرتا ہے، انہیں اللہ کی معیت وقبولیت کی نعمت ملتی ہے، ذکر الٰہی دلوں کو صیقل کرتا ہے، وہ عذابِ الٰہی سے نجات کا بہت موثر ذریعہ ہے، جب کہ ذکر سے محرومی کا انجام حسرت وحرماں نصیبی اور دلوں کی قساوت وشقاوت ہے۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر الٰہی کو اپنی بے انتہا محبوب چیز قرار دیا ہے، اور ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کی جو تاکید فرمائی، اس کے جو فضائل ومنافع بیان فرمائے، اس کے جن اسرار وحکم کی نقاب کشائی فرمائی، اس کے بعد ذکر محض ایک فریضہ اور ضابطہ نہیں رہ جاتا؛ بلکہ وہ زندگی کی ایک بنیادی ضرورت، فطرتِ انسانی کا ایک خاصہ، روح کی غذا اور دل کی دوا بن جاتا ہے، پھر اس کے لئے الہام خداوندی سے جو اوقات ومواقع، جو اسباب ومحرکات تجویز فرمائے، اور ان کے لئے جو صیغے اور الفاظ تعلیم فرمائے، وہ توحید کی تکمیل کرنے والے، عبدیت کے قالب میں روح ڈالنے والے، قلب کو نور سے، زندگی کو سکینت وسرور سے اور فضا کو برکت ونورانیت سے بھرپور کرنے والے ہیں، پھر وہ اسی قدر عمومی، پوری زندگی کی وسعت وتنوعات اور شب وروز کے اوقات پر محیط ہیں کہ اگر ان کا ذرا بھی اہتمام کیا جائے تو پوری زندگی ایک مسلسل ومکمل ذکر میں تبدیل ہو جاتی ہے، اور مشکل سے کوئی وقت، کوئی کام، کوئی نقل وحرکت اور کوئی پیش آنے والی حالت وتبدیلی اس کی رفاقت وشمولیت سے محروم رہتی ہے''۔ (ماخوذ از: مقدمہ معارف الحدیث، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ۵/۶-۷)

(۶) اعتماد میرا خزانہ ہے

اعتماد کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں: (۱) خداوند قدوس پر اعتماد (۲) اپنی ذات پر اعتماد

(۳) اپنے مصاحبین پر اعتماد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں قسموں سے مالا مال تھے، اور یہی وصف ہر مسلمان میں مطلوب ہے۔

اللہ پر اعتماد کو اصطلاح میں ''توکل'' کہا جاتا ہے، قرآن میں توکل کا حکم بھی ہے اور اس کے فوائد ونتائج کا بیان بھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا گیا:

لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلاً. (المزمل: ۹)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی بندگی کے قابل نہیں، تو آپ اسی کو اپنا وکیل بنا لیجئے۔

جگہ جگہ اللہ کو ''نعم الوکیل'' (بہترین کارساز) کہا گیا ہے، فرمایا گیا:

ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ. (الطلاق: ۳)

ترجمہ: جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لئے اللہ کافی ہے۔

قرآن اپنے پیروؤں کو زیور توکل سے آراستہ ہونے کی جابجا تلقین کرتا اور دہراتا ہے کہ:

وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون. (ال عمران: ۱٦۰، تغابن: ۱۳)

ترجمہ: اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

وتوکل علی الحی الذی لا یموت. (الفرقان: ۵۸)

ترجمہ: تم اس اللہ پر بھروسہ کرو جو زندۂ جاوید اور فنا نا آشنا ہے۔

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ توکل کا مطلب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا اور اختیاری اسباب ووسائل کو استعمال میں نہ لانا نہیں ہے؛ بلکہ تمام ممکنہ ظاہری اسباب وتدابیر کو اختیار کر کے نتائج اللہ کے سپرد کرنا اور بے فکر ہو جانا توکل ہے، مگر دل کا اعتماد اللہ کی ذات پر ہو، یہ یقین ہو کہ قدرتِ خداوندی ان اسباب کی پابند نہیں ہے، اللہ چاہے تو ان اسباب کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت بس صرف اتنی ہی ہے کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ ذرائع اور راستے ہیں جن سے ہم تک اشیاء کی رسائی ہوتی ہے، جیسے ہم تک پانی کی رسائی نلوں کے راستے سے تو ہوتی ہے،

مگر پانی کی تقسیم میں ان نلوں کا کوئی دخل نہیں ہے، اس کائنات میں کارفرمائی اسباب ووسائل کی نہیں؛ بلکہ صرف ذاتِ خداوندی اور حکم ربانی کی ہے، یہی توکل کی حقیقت ہے۔

احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ پر توکل کرنے والے بندے بلاحساب جنت میں داخل ہوں گے، دنیا میں انہیں سہولت سے روزی ملے گی، زیادہ کدوکاوش نہ کرنی پڑے گی، اللہ ان کی تمام ضرورتوں کے لئے کفایت کرے گا، اور سکونِ قلبی کی دولت سے نوازے گا، اور ان کی محنتوں کو ضائع نہیں کرے گا، اللہ کی ذات وصفات پر کامل ایمان، قدرت کے مکافاتِ عمل کے منصفانہ قانون پر یقین اور رجائیت پسندی اور ناامیدی سے دوری توکل کے اہم عناصر ہیں۔

اپنی ذات پر اعتماد (خود اعتمادی) کامیابی وکامرانی کی ضمانت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ رسال کی مختصر ترین مدت میں جزیرۃ العرب میں جو علمی وعملی، فکری ونظری، اخلاقی واصلاحی انقلاب برپا فرمایا، اس کی کامیابی میں خود اعتمادی کا بے پناہ دخل تھا، بادِ مخالف، طوفان مصائب، حوادثِ زمانہ، مشکلات وخطرات سے مقابلہ اور قربانیاں پیش کرنے کا حوصلہ خود اعتمادی کے بغیر پیدا ہی نہیں ہوسکتا، عظمت اور رفعت کے حصول میں خود اعتمادی کا بڑا کلیدی کردار ہوتا ہے، ہر دور میں اہل ایمان کی کامیابیوں، بلندیوں اور عظمتوں میں توکل اور خود اعتمادی دونوں کا اہم رول رہا ہے۔

مصاحبین پر اعتماد کسی بھی مشن اور دعوت کی کامیابی کے لئے شرطِ اولین ہے، اصلاحی، سیاسی، معاشرتی اور عسکری ہر میدان میں رفقائے کار پر مکمل اعتماد ضروری ہے، رفقاء میں خود اعتمادی پیدا کرنا، ان کو قابل اعتماد بنانا اور ان کے دلوں میں اپنا اعتماد راسخ کرنا بہت اہم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد تھے، ان کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل اعتماد واعتقاد تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں خود اعتمادی کا جوہر پیدا فرمادیا تھا، اور پھر ان کے والہانہ انداز اور سرفروشانہ جذبوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ان کو بے حد قابل اعتماد بنادیا تھا، اور انہیں کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے جزیرۃ العرب کی کایاپلٹ دی تھی، نئی روح پھونک دی تھی، ہدایت کی شمعیں ہر جگہ فروزاں کردی تھیں۔

توکل، خود اعتمادی اور رفقاء پر کامل اعتماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں ان کا خزانہ تھا، یہی خزانہ ہر مؤمن کے پاس ہونا چاہئے۔

(۷) غم میرا رفیق ہے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کا نہیں؛ بلکہ انسانیت کا غم تھا، آپ جو مشن لے کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے، اور ہدایت واصلاحِ خلق کی جو ذمہ داری آپ پر اللہ کی طرف سے ڈالی گئی تھی، اس کی تکمیل کی فکر میں آپ کے روز وشب کا ہر لمحہ اضطراب کے عالم میں گذرتا تھا، آپ کو پوری کائنات کے لئے رحمت عالم اور مبشر ونذیر اور داعی ومصلح بنا کر بھیجا گیا تھا، آپ اپنے اس فرض کی انجام دہی کے لئے ہمہ وقت کوشاں اور بے قرار رہا کرتے تھے اور کسی بھی نوع کی غفلت سے ہر آن لرزاں وترساں رہتے تھے۔

قرآنِ کریم آپ کے اسی غم انسانیت اور اضطرابِ دائمی کا تذکرہ کرتا ہے:

لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مؤمنین. (الشعراء: ۳)

ترجمہ: اے نبی! شاید آپ اس غم میں اپنی جان کھودیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

دعوت واصلاح کی پر خطر راہ پر چلنے والے ہر فرد میں شریعت کی مطلوبہ کیفیت یہی ہے کہ وہ اپنے مدعو کی اصلاح کے لئے تڑپتا رہے اور اس کی بے قراری کو تبھی قرار آئے جب اس کا مشن تکمیل کا مرحلہ طے کرلے۔

(۸) علم میرا ہتھیار ہے

اسلام میں علم کو اولین اہمیت دی گئی ہے، ابتدائی وحی میں علم ہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم، الذی علم بالقلم، علم الانسان ما لم یعلم. (العلق: ۱-۵)

ترجمہ: اپنے اس پروردگار کا نام لے کر پڑھیے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھیے! آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جس سے وہ نا آشنا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر "تعلیم اسماء" ہی کی بنیاد پر فضیلت دی گئی اور خلافت ارضی کی ذمہ داری عطا کی گئی، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت کے ذیل میں قرآن کریم میں جا بجا تعلیمِ کتاب و حکمت کا ذکر ملتا ہے، اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما بعثت معلماً.

ترجمہ: مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ علم کی طاقت سے ہر معرکہ سَر ہوسکتا ہے، اسی لئے اس کو ہتھیار قرار دیا گیا ہے، اس کے ذریعہ ہر دشمن کو زیر کیا جاسکتا ہے، قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق قارون کی بے پناہ دولت وثروت، شان وشوکت، تعیش وطمطراق اور ٹھاٹ باٹ کو دیکھ کر ظاہر بین سطحی لوگ رَتجھنے لگے اور کہنے لگے:

یا لیت لنا مثل ما اوتی قارون، انه لذو حظ عظیم. (القصص: ۷۹)

ترجمہ: کاش! ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو ملا ہے، وہ تو بڑا نصیبے والا ہے۔

مگر اس ثروت وتعیش کو اگر کسی نے پرِ کاہ اور ذرۂ بے مقدار کے برابر بھی قابل اعتناء نہ سمجھا تو علم کی دولت سے بہرہ مند افراد نے، انہوں نے علم کی دولت وطاقت کے ذریعہ سے مادیت پرستی اور دنیوی ہنگامی آرائشوں کی طاقت کو توڑ دیا، اور کہا:

ثواب اللّٰه خیر لمن امن وعمل صالحاً، ولا یلقّٰها الا الصابرون.

(القصص: ۸۰)

ترجمہ: اللہ کا ثواب اس شخص کے لئے بدرجہا بہتر ہے جو ایمان لائے اور

نیک عمل کرے، اور یہ دولت صبر کرنے والوں ہی کو ملتی ہے۔

خوفِ خدا اور خشیت ربانی جو انسان کی زندگی کے ہر موڑ پر ضروری چیز ہے اور جس کے بغیر انسان نہ منزل کا صحیح ادراک و تعین کرسکتا ہے اور نہ اپنا لائحۂ عمل طے کرسکتا ہے، یہ دولت بھی اہل علم ہی کے حصہ میں آتی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء. (الفاطر: ۲۸)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے اس کے صرف وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں۔

قرآن ہی کی شہادت کے مطابق اللہ کی وحدانیت کا راز بھی صرف اصحابِ علم پر آشکارا ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:

شھد اللّٰہ انہ لا الہ الا ھو والملائکۃ واولو العلم قائماً بالقسط.

(ال عمران: ۱۸)

ترجمہ: اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور وہ عدل وانصاف کرنے والا ہے، اور یہی شہادت ملائکہ اور اہل علم نے بھی دی ہے۔

اہل علم کے ذکر میں قرآن کریم ایک جگہ کہتا ہے:

یرفع اللّٰہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات.

(المجادلۃ: ۱۱)

ترجمہ: تم میں سے جو ایمان والے ہیں، اور جن کو علم بخشا گیا ہے اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔

قرآن دوسری جگہ کہتا ہے:

ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون. (الزمر: ۹)

ترجمہ: کیا علم والے اور جاہل دونوں کبھی یکساں ہوسکتے ہیں۔

اسی لئے اللہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنے رب سے اضافۂ علم کی دعا کرتے رہیں:

وقل رب زدنی علماً. (طٰہٰ: ۱۱٤)

ترجمہ: اور دعاء کیجئے کہ اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بقول:

العلم ثلاثة: اٰیة محکمة، او سنة قائمة، او فریضة عادلة، وما کان سویٰ ذٰلک فھو فضل. (سنن ابی داؤد)

ترجمہ: علوم صرف تین ہیں: قرآن، حدیث اور وہ مسائل جنہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔

حدیث میں علم دین کے حصول کو ہر مسلمان کا لازمی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔

احادیث کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم وحکمت کی دولت قابل رشک دولت ہے، جس کے حصول کی تمنا ہر دل میں ہونی چاہئے، اور انسان کی موت کے بعد بھی اسے اپنے اس علم کی بدولت مسلسل ثواب ملتا رہتا ہے، جس کا فائدہ لوگوں تک پہنچتا رہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نافع کی دعا اور علم غیر نافع سے پناہ خود بھی مانگی ہے اور دوسروں کو اس کا حکم بھی فرمایا ہے، اور اسے انبیاء کی میراث قرار دیا ہے۔ اور یہ واضح کر دیا ہے کہ حصول علم میں مشغول افراد کے لئے آسمان کے فرشتوں سے لے کر سمندر کی مچھلیوں اور زمین کی چیونٹیوں تک تمام مخلوقات دعاء خیر اور اظہار محبت کرتی ہیں۔

حدیث میں بتا دیا گیا ہے کہ علم دین سے ناواقف واقف کاروں سے سیکھیں اور واقف کار انہیں سکھائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا ومناجات میں مشغولیت سے زیادہ افضل تعلیم وتعلم کو قرار دیا ہے؛ لیکن دوسری طرف دنیوی اغراض کے لئے، ریاء وسمعہ کے لئے علم حاصل کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم بتا دیا گیا ہے، اور اسے جنت کی خوشبو سے محروم قرار دیا گیا ہے، بے عمل

عالم کی مثال حدیث میں اس چراغ کی سی بتائی گئی ہے جو دوسروں کو تو روشنی فراہم کرتا ہے، لیکن اپنی ہستی کو بس جلاتا رہتا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ دین کا خالص علم مؤمن کے لئے تمام معرکوں میں سب سے کارآمد ہتھیار ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ خلوص و عمل کے زیور سے آراستہ ہو۔

(۹) صبر میری پوشاک ہے

پوشاک کی خصوصیت اور مقصد برہنگی اور عریانیت سے بچاؤ، پردہ پوشی، موسم کی سختیوں سے حفاظت اور تزئین و آراستگی ہوتا ہے، صبر و تحمل بھی انسانی عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

صبر کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، عام طور پر اس کی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں: (۱) مصائب پر صبر (۲) معاصی سے صبر (پرہیز) (۳) طاعات پر صبر (جماؤ) مختصر لفظوں میں صبر کا مفہوم اللہ کے حکم کی تعمیل میں خواہش نفس کا دبانا اور کچلنا اور اس راہ کی تلخیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرتے رہنا ہے۔ قرآنی بیان کے مطابق صبر انسان کی فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہے، صبر کرنے اور صبر کی تلقین کرنے والوں کو خسارہ اور گھاٹے سے محفوظ بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

والعصر، ان الانسان لفی خسر، الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ (العصر)

زمانے کی قسم! انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

یہ دنیا چوں کہ راحت و مسرت اور مصیبت و غم کا آمیزہ ہے، یہاں خوشی ہے تو رنج و دکھ بھی ہے، تلخی بھی ہے اور شیرینی بھی، اور یہ سب من جانب اللہ ہے؛ اس لئے اہل ایمان کو یہ حکم ہے کہ وہ مصائب کے عالم میں صبر و تحمل کے پیغمبرانہ اسوہ کی پیروی کریں۔ قرآن کریم میں ستر سے زائد جگہوں پر صبر کا بیان ہے، اور بیشتر نیکیوں کو صبر ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور انہیں صبر کا نتیجہ

ثمرہ بتایا گیا ہے۔ احادیث میں بھی یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ صبر کے نتیجہ میں انسان بہرصورت اپنے رب سے مربوط اور وابستہ رہتا ہے، اور مصائب و ناکامیوں اور رنج وغم کے ہجوم میں بھی وہ دل شکستہ، پژمردہ اور مایوس نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کی عملی توانائیاں بڑھ جاتی ہیں۔

قرآن کا بیان ہے کہ اللہ کی معیت اور نصرت صبر کرنے والوں کے شامل حال رہتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر موڑ پر صبر وتحمل کا نمونہ ملتا ہے، بارہا مصائب کا طوفان آیا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر وتحمل اور استقامت میں پہاڑ سے زیادہ مضبوط ثابت ہوئے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی مدد اور نصرت ہر موقع پر آپ کے ساتھ رہی۔

قرآن کہتا ہے کہ ہر نیکی کا ثواب متعین ومقدر ہے، مگر صبر کا اجر بے حساب ہے۔ ارشاد ہے:

انما یوفیّٰ الصابرون اجرھم بغیر حساب. (الزمر: ۱۰)

ترجمہ: صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

حدیث میں روزوں کے بارے میں بے حساب اجر کا ذکر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ بھی صبر ہی کی قسم ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن میزانِ عدل قائم کی جائے گی، اہل صدقہ آئیں گے تو ان کے صدقات کو تول کر اس کے حساب سے پورا پورا اجر دے دیا جائے گا، پھر جب بلا اور مصیبت میں صبر کرنے والے آئیں گے، تو ان کے لئے کوئی کیل اور وزن نہیں ہوگا؛ بلکہ بغیر حساب واندازہ کے ان کی طرف اجر وثواب بہا دیا جائے گا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ لوگ جن کی دنیوی زندگی عافیت میں گذری، تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش! ان کے بدن دنیا میں قینچیوں کے ذریعہ کاٹے گئے ہوتے، تو ہمیں بھی صبر کا ایسا ہی صلہ ملتا۔ (معارف القرآن ۷/۵۴۳)

قرآن کی صراحت کے مطابق اہل صبر پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات اور نوازشیں ہوں گی، رحمت الٰہی ان پر سایہ فگن ہوگی اور وہ ہر موڑ پر راست رو رہیں گے۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ بقرہ: ۱۵۷)

احادیثِ نبویہ میں کہیں صبر کو سراسر خیر اور موجب برکت بتایا گیا ہے، اور کہیں جنت میں

داخلہ کی ضمانت قرار دیا گیا ہے، صبر کو ذریعۂ مغفرت اور باعث نجات بتایا گیا ہے، صبر کے بارے میں یہ بھی آیا ہے کہ:

وما اعطی احد عطاء خیراً واوسع من الصبر. (بخاری شریف)

ترجمہ: کسی کو صبر سے بہتر اور وسیع تر عطا نہیں بخشی گئی۔

یعنی صبر کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ تمام محاسن اور خوبیوں کو جامع ہے، زندگی کے اعلیٰ اقدار کا حصول صبر ہی کا رہین منت ہوتا ہے، صبر ہی ہمہ نوعی تنگیوں کو دور اور ذہن وفکر اور سعی وعمل کو وسیع کرتا ہے۔ ایک حدیث میں صبر کو روشنی قرار دیا گیا ہے۔ (مسلم شریف) صبر ایمانی اعلیٰ اخلاق کا اہم ترین شعبہ ہے اور عزیمت کے کاموں میں سے ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ ایمان کے چار ستون ہیں: (۱) جہاد (۲) یقین (۳) صبر (۴) عدل۔ اور صبر کو وہ مقام حاصل ہے جو جسم میں سر کو حاصل ہے، جس کے پاس سر نہ ہو اس کا جسم بے کار ہے، ایسے ہی جس میں صبر نہ ہو اس کا ایمان بے کار ہے۔ (احیاء العلوم) صبر کی اسی اہمیت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی پوشاک اور لباس قرار دیا ہے۔

(۱۰) رضا میرا مالِ غنیمت ہے

اللہ کی رضا جوئی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مالِ غنیمت قرار دیا ہے، جہاد فی سبیل اللہ اور دیگر تمام عبادات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اللہ کی خوشنودی اور رضامندی کا حصول ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہد اسی کو قرار دیا جو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے لڑے، مال ودولت کے حصول کے لئے لڑائی جہاد نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ یقین اپنے اصحاب کے دلوں میں پیوست اور راسخ فرما دیا تھا کہ:

شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

مختلف اعمال وعبادات کے ذکر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتساب کا لفظ استعمال فرمایا

ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو نیک عمل بھی کیا جائے اس کا باعث ومحرک صرف اللہ کے اجر وثواب کی امید وطلب ہو، کوئی دوسرا جذبہ ومقصد اس کا محرک نہ ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه، ومن قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه، ومن قام لیلة القدر ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: جو ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھیں گے، رمضان کی راتوں میں نوافل پڑھیں گے، شب قدر میں نوافل پڑھیں گے، ان کے پچھلے تمام گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

قرآنِ کریم میں بھی تمام اعمالِ صالحہ کی غرض وغایت رضائے الٰہی ہی بتائی گئی ہے، یہ اسلامی اخلاق کا بنیادی اصول ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسان اپنی جان اور مال دونوں دولتیں رضائے الٰہی کی راہ میں لگادے، ارشاد ہے:

ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضاة اللّٰہ، واللّٰہ رؤف بالعباد. (البقرة: ۲۰۷)

ترجمہ: انسانوں میں بعض ایسے ہیں جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتے ہیں، ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔

ومثل الذین ینفقون اموالهم ابتغاء مرضاة اللّٰہ وتثبیتاً من انفسهم کمثل جنة بربوة اصابها وابلٌ فآتت اکلها ضعفین، فان لم یصبها وابل فطل. (البقرة: ۲٦۵)

ترجمہ: جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے دل کے پورے ثبات وقرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بلند سطح پر ایک باغ ہو، اگر زور کی بارش ہو تو دوگنا پھل لائے، اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی

پھوار ہی اس کے لئے کافی ہو جائے۔

صدقات وخیرات کی تلقین، اعمال صالحہ کا حکم، لوگوں کے معاملات کی اصلاح، صبر وتحمل، اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی، مساکین وفقراء کی مدد، مسافروں کے ساتھ حسن معاملہ، یہ تمام نیکیاں ہیں جن کی نام بہ نام صراحت قرآنِ کریم میں ہے، اور ہر ایک کے ساتھ جذبہ طلبِ رضائے الٰہی کو اساس وبنیاد کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ حصول رضائے الٰہی کی طلب تمام اعمال کی روح ہے، اس کے بغیر تمام اعمال بے جان ہیں۔

(۱۱) تواضع وانکساری میرا فخر ہے

انسانیت کی سب سے بڑی بلندی اور رفعت تواضع، خاکساری، انکساری اور عبدیت ہے، کبرایائی صرف خدائے واحد کے لئے زیبا ہے، اور اسی کے شایانِ شان ہے، انسان کا سب سے بڑا سرمایۂ افتخار تواضع اور فروتنی ہی ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ. (مسلم شریف)

ترجمہ: جو شخص خدا کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے لازماً بلند کر دیتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ، فهو فی نفسه صغیر، وفی اعین الناس عظیم، ومن تکبر وضعه اللّٰہ، فهو فی اعین الناس صغیر، وفی نفسه کبیر، حتی لهو اهون علیهم من کلب او خنزیر. (بیهقی)

ترجمہ: جس نے اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا کے حصول کے لئے خاکساری اور تواضع کا رویہ اختیار کیا تو اللہ اس کو بلند کر دے گا، پھر وہ اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا؛ لیکن عام بندگانِ خدا کی نگاہ میں اونچا ہوگا، اور جو تکبر کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ اس کو نیچے گرا دے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل

وحقیر ہوجائے گا اگر چہ وہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوگا؛ لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہوجائے گا۔

تقویٰ اور خدا ترسی کا لازمی نتیجہ تواضع ہے، چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقویٰ کے لحاظ سے سب سے برتر تھے، اسی لئے تواضع وعبدیت میں بھی آپ سب پر فائق تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: ''ہم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا، مگر ہم آپ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ آپ اس کو ناپسند فرماتے تھے''۔ (ترمذی شریف)

روایات میں آتا ہے کہ مدینہ منورہ کی لونڈیوں اور باندیوں میں سے کوئی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جو کچھ کہنا ہوتا کہتی، اور جتنی دور چاہتی لے جاتی۔ (مسند احمد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم طائی کو اپنے گھر بلایا، باندی نے ٹیک لگانے کے لئے تکیہ پیش کیا، مگر آپ زمین پر بیٹھے، ٹیک نہ لگایا۔ (زاد المعاد)

خود گھر کی صفائی، اونٹ کو باندھنا، جانور کو چارہ دینا، غلاموں کے ساتھ کھانا، ان کی دعوت بخوشی قبول کرنا، بازار سے سودا لانا، یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کے نمونے ہیں، اور اسی نے آپ کو رفعت کے سب سے اعلیٰ مقام پر پہنچایا، اسی لئے آپ نے تواضع کو فخر قرار دیا ہے۔

قرآنِ کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا گیا:

واخفض جناحک للمؤمنين. (الحجر: ۸۸)

ترجمہ: اہل ایمان کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے۔

واخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنين. (الشعراء: ۲۱۵)

ترجمہ: ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ آپ کی پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے۔

رحمٰن کے بندوں کے اوصاف میں ایک وصف زمین پر فروتنی کے ساتھ چلنا بیان ہوا ہے۔ (الفرقان)

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے تواضع کے ذیل میں متعدد نصائح کیں جو قرآنِ کریم میں مذکور ہیں، ان میں بات کرنے میں لوگوں سے بے رخی واعراض نہ کرنا، اکڑ کر نہ چلنا، چال میں غرور نہ ہونا، آواز میں متکبرانہ کرختگی نہ ہونا وغیرہ شامل ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ''تواضع کا مقصد معاشرتی زندگی میں خوش گوار لطافت پیدا کرنا ہے، اور یہی لطافت ہے، جو ایک خاکسار شخص کی چال ڈھال اور بات چیت تک سے ظاہر ہونی چاہئے''۔

(سیرت النبی ۶/۲۴۱)

(۱۴) زہد میرا پیشہ ہے

زہد کے معنی ہیں: ''دنیا سے قلبی اعراض، آخرت کے لئے دنیا کی لذتوں سے بے رغبت ہونا عیش وتنعم کی زندگی سے دست بردار ہونا''۔

امام مالکؒ کے بقول:

''زہد، حلال کمائی اور دنیوی آرزوں کی کمی کا نام ہے، ترکِ مال واسباب کا نام زہد نہیں ہے؛ بلکہ دنیا سے بے رغبتی، بخل اور فضول توقعات سے پرہیز اور اللہ پر کامل اعتماد زہد ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ: ''دنیا میں زہد کا مطلب مال کو ضائع کرنا اور حلال کو حرام کرنا نہیں ہے؛ بلکہ اپنے پاس موجود چیزوں کے بجائے اللہ کے خزانے پر زیادہ اعتماد کا نام زہد ہے''۔ (طیبی شرح مشکوۃ شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زہد کو اپنا پیشہ قرار دیا ہے، آپ کی پوری زندگی زاہدانہ تھی، زہد نبوی کے سلسلہ میں کتب احادیث میں بڑے واقعات وروایات ہیں، آپ کا فقر اختیاری تھا، آپ نے اپنے لئے اللہ سے دعا کی:

اللهم احيني مسكيناً وامتني مسكيناً واحشرني في زمرة المساكين. (ترمذی شریف)

ترجمہ: اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ، اور مسکینی کی حالت میں

دنیا سے اٹھا اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔

روایات میں ہے کہ دو دو ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چولہا ٹھنڈا رہتا تھا، کھجور اور پانی پر گذارا ہوتا تھا، ایک بار تیں دن رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح گذرے کہ کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے، اپنی پوری زندگی آپ نے اور آپ کے اہل خانہ نے جو کی روٹی سے بھی متواتر دو دن پیٹ نہیں بھرا۔ (بخاری وترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے پتوں سے بنی چٹائی پر لیٹے تھے، آپ کے جسم پر چٹائی کے گہرے نشانات تھے، حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! خوش حالی وفراخی کی دعا کیجئے، روم وفارس والے بڑے خوش حال ہیں، جب کہ وہ خدا پرست بھی نہیں ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا ابن الخطاب! اولٰئک قوم عجلت لهم طیباتهم فی الحیاة الدنیا، اما ترضیٰ ان تکون لهم الدنیا ولنا الآخرة. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: اے ابن خطاب! ان کو ان کی لذتیں دنیا میں دے دی گئی ہیں، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لئے دنیا کا عیش ہو اور ہمارے لئے آخرت کا عیش؟ ایک روایت میں فراخی کی دعا کے مطالبہ پر آپ کا یہ جواب بھی مذکور ہے کہ:

ما انا والدنیا الا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح وترکها.

(ترمذی شریف)

میں اس دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں، جو سایہ کے لئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو اور پھر اپنی منزل کی طرف چل دے۔

صلاح وتقویٰ کے ساتھ حاصل ہونے والی دولت کو بھی اللہ کی نعمت قرار دیا گیا ہے؛ بلکہ مقاصدِ حسنہ کے لئے حصولِ دولت کی فضیلت بھی آئی ہے، دولت کے حصول میں مکمل انہماک اور ضروریاتِ دین سے بے اعتنائی سے منع کیا گیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اس امت کے صلاح کی

بنیاد زہد اور یقین ہے۔ (بیہقی)

احادیث میں زہد کو محبت الٰہی کا ذریعہ بتایا گیا ہے، زاہدوں کی صحبت کی تلقین کی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے خاص بندے عیش و تنعم سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کا ہر لمحہ زہد و استغناء سے عبارت تھا، اسی لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ زہد و استغناء آپ کا پیشہ تھا۔

(۱۴) یقین میری توانائی ہے

پہلے یہ حدیث ذکر کی جاچکی ہے کہ:

اول صلاح هذه الامة اليقين والزهد.

ترجمہ: اس امت کے صلاح کی بنیاد زہد اور یقین ہے۔

یہ دونوں باہم دگر یوں مربوط ہیں کہ انہیں الگ نہیں کیا جاسکتا، اور یہی تمام بھلائیوں کا منبع بھی ہے۔

یقین کی ایک قسم علم الیقین ہے جو عقل سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسری قسم عین الیقین ہے جو مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور تیسری قسم حق الیقین ہے جو تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔ گویا یقین کے حصول کے تین ذریعے ہیں، عقل و مشاہدہ اور تجربہ؛ اسی لئے اس میں علم، واقعیت اور راستی کی توانائی بھی ہوتی ہے اور یہ توانائی صبر و تحمل، پامردی، استقلال، عزیمت و شکیمت، ہمت و حوصلہ عطا کرتی ہے، اور اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی بڑی سے بڑی قربانی پیش کر دیتا ہے، عقائد و ایمانیات میں روح اسی یقین کامل کی بدولت پڑتی ہے، یقین کی قوت سے محرومی موت کے ہم معنی ہے، قوتِ یقین سے مالا مال قومیں زندہ اور قائد ہوتی ہیں، جب کہ اس سے تہی دست اقوام مردہ اور پس ماندہ ہوتی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پر، آخرت پر اور اپنی دعوت کی حقانیت اور اپنے مشن و پیغام کی صداقت اور واقعیت پر مکمل یقین تھا، اور اسی یقین کا نتیجہ تھا کہ مسلسل کامیابیوں نے آپ کے قدم چومے، یقین کا رتبہ سب سے بلند اور مقدم ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

حدیث میں شک وارتیاب کو کفر قرار دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یقین وایمان لازم ملزوم ہیں، یقین کا مطلب صرف یہ نہیں کہ کسی عقیدہ کو عقلی دلائل کی روشنی میں مان لے یا دماغ اس کے مان لینے کا رسمی وسطحی انداز میں اعتراف کرلے؛ بلکہ یقین تو یہ ہے کہ دل وجان سے کسی چیز پر اعتقاد ثابت وراسخ ہوجائے، اور عقل وارادہ اور جذبات سب پر وہی غالب ہوجائے اور چھاجائے۔

(۱۴) صدق میرا حامی اور سفارشی ہے

عقیدہ، زبان، دل، عمل، فکر ونظر سب کی سچائی آدمی کو صدیق بناتی ہے، راستی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد امتیازی وصف تھا، دعوائے نبوت سے قبل ہی آپ کو "الصادق" کے لقب سے پکارا جاتا تھا، تمام باطل قوتوں کے جھوٹ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راستی اور سچائی نے شکست دی تھی۔

سچائی ایمان کی اور جھوٹ نفاق کی علامت ہے، قرآنِ کریم سچوں کی صحبت میں رہنے کا حکم دیتا ہے، سچائی کو باعث اطمینان وسکون چیز قرار دیا گیا ہے، اسے نیکی اور جنت کی طرف راہ نما بتایا گیا ہے، اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ سچائی انسان کو زندگی کے ہر شعبہ میں نیک بنادیتی ہے، اور جھوٹ انسان کو ہر شعبۂ زندگی میں بدکار بنادیتا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ مؤمن سب کچھ ہوسکتا ہے مگر جھوٹا اور بددیانت نہیں ہوسکتا، ایمان کے ساتھ دروغ گوئی اور خیانت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ: "سچائی کا دامن ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑو چاہے جان ہی کیوں نہ چلی جائے"۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو پچاس روز کے پرمشقت مقاطعہ سے اسی سچائی کی بدولت نجات ملی تھی؛ اسی لئے کہا گیا ہے کہ سچائی کی موت جھوٹ کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ:

الصدق ینجي و الکذب یھلک.

ترجمہ: سچائی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔

مزید وارد ہوا ہے کہ مسلمان اپنے وقار اور نرم کلامی اور راست گوئی سے پہچانا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اہل صدق کو فلاح یاب اور خدا ترس قرار دیا گیا ہے، اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ قیامت میں نجات اہل صدق ہی کو ملے گی۔

سچائی اپنی ذات میں ایک طاقت ہے، حق اور راستی پر ہونے کا احساس انسان کو دلیر بنا دیتا ہے، سچا انسان بلند ہمت اور عالی حوصلہ ہوتا ہے، اس کے انداز میں کوئی جھول نہیں ہوتا، جب کہ جھوٹ انسان کو بے زبان اور پست ہمت بنا دیتا ہے۔

(۱۵) اطاعتِ الٰہی میرے لئے بس ہے

اللہ کی اطاعت، اس کی عبدیت، اس کی غلامی، اس کے تمام اوامر ونواہی کی پابندی، ہر شعبۂ زندگی اور ہر مرحلۂ حیات میں اس کی پیروی ہی مؤمن کا اصل سرمایہ ہے، انسان جب عبدیت کاملہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے، تو پھر اللہ اس کے لئے کافی ہوجاتا ہے، اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہوجاتا ہے، اطاعت الٰہی کے فائدے دنیا میں نقد بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

قال ربکم عزوجل: لو ان عبیدی اطاعونی لاسقیتھم المطر باللیل واطلعت علیھم الشمس بالنھار ولم اسمعھم صوت الرعد.

(مسند احمد)

ترجمہ: اللہ نے فرمایا کہ اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں ان پر رات کو بارش برساؤں اور دن میں ان پر دھوپ نکالوں اور انہیں بجلی کی کڑک کی آواز نہ سناؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اطاعت الٰہی کی حسین زندگی تھی، اسی لئے قرآنِ کریم میں جابجا اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بھی حکم ہے، فرمایا گیا:

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفرلکم ذنوبکم، واللّٰہ غفور رحیم۔ قل اطیعوا اللّٰہ والرسول۔ (آل عمران: ۳۱-۳۲)

ترجمہ: اے نبی! آپ فرمادیجئے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ آپ فرمادیجئے کہ اللہ ورسول کی اطاعت قبول کرو۔

یایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللّٰہ والرسول۔ (النساء: ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ، ومن تولی فما ارسلناک علیہم حفیظاً۔ (النساء: ۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی، اور جو منہ موڑ گیا تو بہرحال ہم نے آپ کو ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔

جگہ جگہ اطاعت خدا ورسول کو فوز وفلاح قرار دیا گیا ہے، اور اسے رحمت الٰہی اور فیضانِ خداوندی کا ذریعہ بتایا گیا ہے، خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور نافرمان جہنم میں جائے گا، اور میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع جب تک خواہش نفس نہ ہوگی ایمان مکمل نہ ہوگا۔

(۱۶) جہاد میرا خلق ہے

حق کی سربلندی، اس کی اشاعت وحفاظت کے لئے ہر قسم کی کوشش اور سعی جہاد ہے، قرآنِ کریم میں جہاد بالنفس اور جہاد بالمال دونوں کا ذکر جابجا آیا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی اور قتال جہاد اصغر ہے اور نفس کی خواہشات کو دبانا اور کچلنا جہادِ اکبر ہے، جہاد کی سب

سے اعلیٰ قسم جہاد بالنفس ہے۔قرآن کہتا ہے:

وجاهدوا فی الله حق جهاده. (الحج: ۷۸)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

جہاد کی ایک قسم جہاد بالعلم ہے، یعنی علم کی روشنی پھیلا کر اور علم کے چراغ جلا کر جہالت کی تاریکی چھانٹ دینا، ہر صاحب علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ جہالت کا خاتمہ کرنے کی مہم میں لگ جائے، دعوتِ دین بھی جہاد ہے۔ جہاد بالمال یہ ہے کہ راہِ خدا میں مال خرچ کیا جائے، حق گوئی جہاد باللسان ہے، حق نویسی جہاد بالقلم ہے، ہر نیک کام میں اپنی جانی و مالی و دماغی قوت صرف کرنا جہاد ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی جہاد مسلسل سے عبارت تھی، بعثت سے پہلے آپ کا جہاد نفس وشیطان سے تھا اور بعثت کے بعد نفس وشیطان کے ساتھ کفار ومشرکین سے بھی تھا، عظمت وبلندی کا راز جہاد میں پنہاں ہے، اس موضوع پر بے شمار نصوص ہیں، کتب احادیث میں ان کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱۷) میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے

ایمان کے بعد اعمال میں سب سے افضل اور عبادات میں سب سے اعلیٰ عبادت نماز ہے، حدیث میں آتا ہے کہ نماز ایمان کا ایسا لازمی جزء اور شعار ہے کہ اس کو قصداً چھوڑنے کے بعد انسان گویا کفر وشرک کی گمراہیوں میں پہنچ جاتا ہے، قرآن وحدیث میں نماز کے تعلق سے تعلیمات کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے۔

نماز کو دین کا ستون اور بنیاد قرار دیا گیا ہے، اسے توحید کا عملی ثبوت بتایا گیا ہے، نماز کی اہمیت، فضیلت، برکات وثمرات ایک مستقل موضوع ہے، جس پر کتابیں موجود ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو آنکھ کی ٹھنڈک اور دل کا سکون قرار دیا ہے، نماز کے بے شمار فوائد ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ایمان میں ترقی اور اس کی حفاظت۔

(۲) زندگی میں کنٹرول۔

(۳) حالات کا سدھر جانا۔

(۴) زندگی کا پرسکون ہونا۔

(۵) معاشرت ومعاملات کا درست ہونا۔

(٦) اللہ سے بے پایاں تعلق قائم ہونا؛ کیوں کہ نماز اللہ سے سرگوشی اور مخاطبت کا نام ہے۔

(۷) نماز سے جذبات میں اعتدال آتا ہے۔

(۸) اجتماعیت اور اتحاد والفت۔

(۹) جسمانی طہارت اور پاکی کا حصول۔

(۱۰) روحانی پاکیزگی وبلندی کی یافت۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتربیت کے چند نمونے

ایک کلمہ گو مسلمان کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر مرحلہ پر اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وحیات اور کردار وعمل سب سے بڑا نمونہ ہے۔ انفرادی، اجتماعی، سیاسی، معاشی اور تعلیمی وتربیتی ہر میدان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ کار سب سے بڑا اسوہ ہے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر کیا گیا ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللّٰہ والیوم الآخر وذکر اللّٰہ کثیراً. (الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

امتِ مسلمہ کی فلاح وسعادت اور عزت وکرامت اور دینی ودنیوی کامرانی کا راز صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت میں مضمر ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کی ہر راہ بتادی ہے اور اس پر چلنے کا حکم دیا ہے، اور شر کی تمام راہیں بتا کر ان پر جانے سے منع فرمادیا ہے۔ قرآنِ کریم میں جابجا اطاعت رسول اور اس کے فوائد ونتائج کا ذکر آیا ہے، فرمایا گیا: ''جو اللہ ورسول کی اطاعت کرے گا وہ عظیم کامیابی سے ہم کنار ہوگا'' اور ''جو کچھ رسول دے دیں اسے لے لو اور جس سے منع کردیں اس سے باز رہو''۔

تعلیمی وتربیتی شعبے انسانی زندگی میں خاصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ اور سیرتِ طیبہ کا بغور مطالعہ کرکے آپ کے تعلیمی وتربیتی مناہج، طریقوں اور اسالیب سے باخبر ہونا ضروری ہے؛ تاکہ انہیں خطوط پر چلا جائے اور نمونہ کے

افراد تیار کئے جائیں۔

مطالعۂ سیرت سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ تعلیمی وتربیتی میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب اپنی تاثیر اور جاذبیت کے لحاظ سے سحر آفریں تقریروں، ادیبانہ مقالات ومضامین اور دل کش قصوں اور واقعات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ فائق تھا، اور یہ اسی حکیمانہ معتدل اسلوب کی برکت تھی کہ عرب کی نِری جاہل، وحشی، ایک دوسرے کے خون کی پیاسی اور جان کی دشمن، اخلاق سے کوری اور تند خو قوم میں سے ایسے افراد تیار ہوئے، جنہیں قرآنِ کریم نے خیر امت قرار دیا، اور جنہیں امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اصلاح عالم اور قیادت کی عظیم وگراں بار ذمہ داریاں سونپی گئیں، اور جو اپنے بعد والوں کے لئے نمونہ اور آئیڈیل ثابت ہوئے، اور جن کے بارے میں قرآنِ کریم نے کہا کہ ''ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں، جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھایا''، اور جنہوں نے ہر موقع پر قربانیاں دیں، اللہ ورسول کی پکار پر لبیک کہا، اور اسلام کو اپنی زندگی کا اٹوٹ حصہ بنایا، اور جاہلی زندگی کے اخلاقی بگاڑ، کرپشن، سماجی برائیوں اور لعنتوں، انارکی، ظلم، بدعنوانی، بھید بھاؤ، اونچ نیچ، بے حیائی، بدکرداری، بے ایمانی اور لاقانونیت سے نکل کر نیکی، امانت، عدل، مساوات، حیا، ایمان داری اور پاکیزگی کے جوہر سے آراستہ ہوئے، اسی کا ذکر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اس بلیغ تقریر میں ملتا ہے جو انہوں نے شاہِ حبشہ نجاشی کے دربار میں پورے جوش وجذبہ سے کی تھی، انہوں نے کہا تھا: ''اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بتوں کے پرستار تھے، مردار خور، بدکار، بے حیا، بے رحم، بدمعاملہ اور رشتوں ناتوں کو توڑنے والے تھے، ہم میں سے طاقت ور کمزور کو کھا اور دبا رہا تھا کہ اللہ نے ہم پر رحم کیا، اپنا پیغمبر مبعوث فرمایا، جس کے نسب، راستی، امانت، پاکیزگی اور اعلیٰ کردار سے ہم واقف ہیں۔ پیغمبر نے ہمیں اللہ کی وحدانیت وعبادت کی دعوت دی، ہمیں معبودانِ باطل سے دست برداری کا حکم دیا، ہمیں نماز وروزہ وزکوٰۃ کا حکم دیا، ہم نے اسے سچا جانا، ایمان لائے، اس کے احکام کی پیروی کی، ایک اللہ کی بندگی کی، شرک سے باز آئے اور اپنا طور طریقہ بدل ڈالا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا یہ ایک نمونہ ہے، جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکیمانہ تربیت کے نتیجہ میں بے مقصد زندگیوں کو بامقصد بنایا اور لوگوں کو اسلام کے دامن عدل میں لاکر دیگر مذاہب کے ظلم وبربریت سے بچایا، اور پھر انہیں صحابہ کرام نے ایسی اسلامی حکومت تشکیل دی جس کی نظیر تاریخ کے کسی دور میں نہیں ملتی، اور انہیں کی محنت سے اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، اور عجیب بات یہ سامنے آئی کہ انہوں نے دلوں کو اپنے اخلاق سے فتح کیا، اس طرح اسلام کا نور مشرق ومغرب میں پھیل گیا، یہ ساری فتوحات وکامیابیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے نتیجہ میں حاصل ہوئیں۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی اخلاقی تعلیم وتربیت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیتے تھے۔ ان تعلیمات میں بطور خاص راستی، وفاداری، ایثار، قناعت، قربانی، صبر، توکل، اتحاد، محبت، اخلاص، عفت، امانت ودیانت، مساوات ومواسات وغیرہ شامل ہیں۔ پھر آپ کے شاگرد صحابہ کی زندگیاں ان تعلیمات پر عمل کے قالب میں ہر موقع پر ڈھلی ہوئی نظر آتی ہیں، اتنی تاثیر وکشش کی اصل وجہ آپ کا حکیمانہ اسلوب ہے، جس کا ذکر قرآنِ کریم نے یوں کیا ہے:

فبما رحمة من اللّٰه لنت لهم، ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك، فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر.

(آل عمران: ۱۵۹)

ترجمہ: یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہیں، ورنہ اگر کہیں آپ تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب آپ کے گرد وپیش سے چھٹ جاتے، ان کے قصور معاف کیجئے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کیجئے اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ کیجئے۔

اسی اسلوب کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ ایک بار ایک دیہاتی ناواقفیت کی وجہ سے صحن مسجد میں

پیشاب کرنے لگا، صحابہ رضی اللہ عنہم اسے مارنے دوڑے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کیا اور فرمایا: اسے چھوڑ دو، اور پانی سے صفائی کر دو، تم آسانیاں کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ سختیاں کرنے والے بنا کر۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ آپ نے سختی سے بچتے ہوئے نرمی کا برتاؤ کیا اور شفقت کا معاملہ کیا، اور پھر نرمی سے دیہاتی کو سمجھا دیا کہ مسجدیں نماز و تلاوت اور ذکر اللہ کے لئے ہیں، یہاں گندگیاں پھیلانا غلط بات ہے، دعوت و تربیت کے میدان میں اس واقعہ سے حسن معاملہ، لینت اور نرمی کے زریں اصول اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

اسی اسلوب کا دوسرا نمونہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ: ''میں مدینہ منورہ میں دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، میں نوعمر لڑکا تھا، اس لئے میرا ہر کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتا تھا اور نوعمری کی وجہ سے بہت کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں؛ لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ نے مجھے اُف کہہ کر بھی نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا''؟ (ابوداؤد شریف)

اسی کا ایک نمونہ حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ: ''میں چھوٹا سا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت تھا، کھاتے وقت میرا ہاتھ پیالہ میں گردش کرتا رہتا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سمجھایا کہ بسم اللہ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھاؤ''۔ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، لیٹنے سونے اور جاگنے حتی کہ بیت الخلاء آنے جانے اور استنجاء کرنے کے تمام طریقے اور آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو سکھائے، اس طرح زندگی کے ہر مرحلہ میں آپ کی تعلیمات اور تربیتی اسلوب پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

یہ نبوی تعلیم و تربیت کے چند نمونے ہیں، کتب احادیث میں ایسے بے شمار نمونے ہیں، جن کی تقلید دنیا و آخرت کی سعادت و فلاح کا باعث ثابت ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایثار واتحاد سے آراستہ روشن کردار

ہجرتِ مدینہ منورہ سیرتِ نبوی کا اہم ترین واقعہ اور تاریخ اسلامی کے ایک بے حد نمایاں اور مؤثر دور کا نقطۂ آغاز ہے، ہجرت کے بعد انصار مدینہ کے مقدس گروہ نے مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت اور ایثار ومودت کا جو معاملہ کیا اور مسلسل کرتا رہا، وہ تاریخ عالم کا محیر العقول اور منعدم النظیر واقعہ تھا، اس کے اسباب کی جستجو انسان کو درماندہ کردیتی ہے، بس تمام اسباب کا اصل سبب یہی ملتا رہا ہے کہ یہ صرف فضل خداوندی اور رحمت ربانی کا نتیجہ تھا، اس میں کسی انسانی حکمت وصنعت اور سیاست وتدبیر کی مطلق کارفرمائی نہ تھی۔ قرآن کریم میں خداوند قدوس نے یہ واضح فرمایا ہے کہ:

والف بین قلوبھم، لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم ولکن اللّٰہ الف بینھم، انہ عزیز حکیمٌ. (الانفال: ۶۳)

ترجمہ: اللہ نے مؤمنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دئے، اگر آپ روئے زمین کی تمام دولتیں بھی خرچ کرڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے، مگر وہ اللہ ہے جس نے ان کے دل جوڑے، یقیناً وہ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔

قرآنِ کریم برملا کہہ رہا ہے کہ بکھرے ہوئے انسانی دلوں کو ایک رشتۂ الفت ومحبت میں پرونا اس دنیا میں انسان کے لئے سب سے مشکل کام ہے، خصوصاً صدیوں سے باہم کشت وخون کی فضا میں رہنے اور پرورش پانے والے اور باہمی محبت واتحاد کے الفاظ سے ناآشنا افراد میں وحدت پیدا کرنے کا کام تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں سب سے بڑے

صاحب حکمت وتدبیر ہیں؛ لیکن اس کے باوجود تمام ممکنہ مالی وسائل کے استعمال واختیار کے بعد بھی وہ اس وحدت ویکجائی کو پیدا کرنے پر قادر نہ ہو پاتے، یہ تو محض فضل خداوندی کا کرشمہ اور خدائے کریم وقادر کی کریمی وکارسازی کا مظہر تھا کہ ان شکستہ دل افراد کو نسلی، قبائلی، لسانی اور وطنی تفریقوں سے بالاتر اور ہر طرح سے نصرتِ دین پر یکجا ومتحد کر دیا، اور پھر یہی لوگ جو صدیوں سے باہمی کینہ وبغض کے مجسمے تھے اب ان میں باہمی محبت والفت کی ایسی پاکی وقدوسیت ابھر آئی کہ ہر فرد دوسرے کے لئے اپنا سب کچھ قربان اور نچھاور کرنے پر بخوشی آمادہ ومستعد ہو گیا۔

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

> ''اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی باہمی الفت ایک ایسی نعمت ہے جسے خدا نے اپنا خاص انعام قرار دیا ہے، افسوس ان پر جو اس نعمت سے محرومی پر قانع ہو گئے اور اس کے لئے اپنے اندر کوئی جلن محسوس نہ کی، آج باہمی الفت کی جگہ باہمی مخاصمت مسلمانوں کی سب سے بڑی پہچان ہو گئی ہے، اسی کو انقلابِ حال کہتے ہیں''۔

(ترجمان القرآن ۲/۲۱۱)

اللہ کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کے تحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور صحبت کے فیض واثر سے مختصر ترین مدت میں انصار مدینہ کی کایا بالکل پلٹ گئی اور پھر تاریخ نے یہ ریکارڈ آج تک محفوظ رکھا ہے کہ یہ باہم برسر پیکار قوم کس طرح اعلاءِ حق اور نصرتِ دین کے لئے ﴿بنیان مرصوص﴾ (سیسہ پلائی ہوئی عمارت) اور دیوار آہنی اور ناقابل تسخیر چٹان ثابت ہوئی۔

ہجرت کے بعد مہاجرین کے لئے انصار کا یہ گروہ اسی اسلام کی برکت سے مسلسل دیدہ ودل فرشِ راہ کئے رہا، گھربار، مال ودولت، جائیداد وزمین اور کاروبار وتجارت ہر جگہ انصار مدینہ نے مہاجرین کے لئے ایثار اور دریادلی، کریم النفسی اور فیاضی، الفت اور حسن معاملہ ومعاشرت کا جو ثبوت پیش کیا وہ تاریخ کا نادر ترین واقعہ تھا، اور اسی نے انہیں عظمتوں اور رفعتوں کے اس مقام

تک پہنچادیا جس کا تصور بھی ہم نہیں کرسکتے، اور ہم اگر ان رفعتوں کے لئے سر اٹھائیں تو ہمارے سروں کی کلاہ بھی گر جائے، اور ان کی عظمتوں کا اندازہ نہ ہوسکے۔ مغربی مفکرین اور معترضین وناقدین اسلام اس راز سے آشنا وآگاہ نہ ہو پائیں اور اس حقیقت کا ادراک نہ کر پائیں، تو کوئی تعجب نہیں؛ کیوں کہ یہ وہ مردانِ باصفا ہیں جن کی زندگی کا معیار یورپ میں بسنے والے ترقی یافتہ انسانوں کے معیار زندگی سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے، یہ وہ اصحابِ حق ہیں جو بجا طور پر فرسٹ گریڈ (First Grade) کے لوگ تھے اور تاریخ ان کی نظیر نہیں لاسکتی۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''ہجرت کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور حضرت سعد بن ربیع انصاری کے درمیان مواخات قائم فرمائی، اس کے بعد حضرت سعد نے اپنا مال اپنے اور میرے درمیان تقسیم کرنے کی پیش کش کی، پھر کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، جو تمہیں زیادہ پسند ہو میں اس سے تمہارے حق میں دست بردار ہوکر اسے طلاق دے دوں گا، پھر اس کی عدت گذر جانے کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا، اس پر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے ان سے کہا کہ اللہ تمہارے مال اور اہل وعیال میں برکت دے، مجھے اس کی حاجت نہیں، مجھے بس بازار کا راستہ بتادو، چناں چہ انہوں نے راستہ بتادیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جاکر کچھ فروخت کیا اور خریدا، کچھ مال جمع ہوگیا پھر ایک انصاری خاتون سے نکاح کیا''۔ (صحیح بخاری، باب کیف آخی النبی بین اصحابہ)

اس واقعہ سے انصار صحابہ کے اعلیٰ درجہ کے ایثار کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے، انصار نے مہاجرین کے ساتھ جو محبت واحسان کا معاملہ کیا تھا، اس کی تلافی کے طور پر ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین سے حاصل شدہ مال صرف انصار ہی میں تقسیم کرنا چاہا، مگر انصار صحابہ اس پر تیار نہ ہوئے اور عرض کیا کہ جب تک ہمارے مہاجرین بھائیوں کو اس میں حصہ نہ دیا جائے گا ہم بھی نہیں لیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

روایات میں آتا ہے کہ غزوۂ بنوالنضیر کے بعد بنونضیر کے اموال و جائیداد کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ سے فرمایا کہ:

"اگر تم چاہو تو میں یہ مال انصار و مہاجرین سب میں تقسیم کردوں اور مہاجرین حسب سابق تمہارے مکانوں میں رہیں، اور اگر تم چاہو تو میں یہ سارا مال مہاجرین میں تقسیم کردوں اور مہاجرین تمہارے گھروں کو چھوڑ کر الگ گھر بسالیں، یہ سن کر انصار مدینہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ یہ مال سب کا سب ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرمادیجئے اور پھر بھی وہ بدستور ہمارے مکانوں میں مقیم رہیں"۔ (تفسیر بغوی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میں بھوک کے مارے پریشان و بے حال ہوں، آپ نے ایک ایک کرکے اپنی ازواج مطہرات کے گھروں سے کھانا منگوایا، مگر ہر جگہ سے جواب آیا کہ پانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، آپ نے حاضرین مجلس صحابہ سے فرمایا کہ کون اس شخص کی آج مہمان نوازی کرے گا؟ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں، گھر لے گئے، بیوی نے بتایا کہ صرف بچوں کے کھانے کے بقدر کھانا ہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بچوں کو سلادو، مہمان کے سامنے کھانا رکھو، کھانا ساتھ شروع کرنے کے بعد چراغ بجھوادینا، ہم مہمان کی تسلی کے لئے دکھاوے کو منہ چلاتے رہیں گے؛ تاکہ وہ سمجھے کہ ہم کھا رہے ہیں اور وہ آسودہ ہوجائے، چناں چہ ایسا ہی ہوا، صبح کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ خدمت رسول میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری رات کی ادا اللہ کو بے حد پسند آئی ہے"۔ (جامع ترمذی)

انصار صحابہ کے اس جیسے متعدد واقعات ہیں، انہیں کے بارے میں قرآنِ کریم نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ:

والذين تبوء وا الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم، ولا يجدون في صدورهم حاجة مما اوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة، ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون. (الحشر: ۹)

ترجمہ: وہ لوگ (انصار) جو دار الہجرت میں ایمان لاکر مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی مقیم تھے، ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے ان کے پاس آئے ہیں، اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے، اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں، حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچالئے گئے وہی فلاح یاب ہیں۔

انصارِ مدینہ کے انہیں مآثر ومفاخر کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اية الايمان حب الانصار، واية النفاق بغض الانصار، الأنصار لا يحبهم الا مؤمن، ولا يبغضهم الا منافق، فمن أحبهم أحبه اللّٰه، ومن أبغضهم أبغضه اللّٰه. (متفق عليه)

ترجمہ: انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے، ان سے مؤمن ہی محبت کرے گا، جو ان سے محبت کرے گا اس سے اللہ محبت کرے گا، اور انصار سے دشمنی نفاق کی نشانی ہے، ان سے منافق ہی بغض رکھے گا، جو ان سے عداوت رکھے گا اس سے اللہ عداوت رکھے گا۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو لا الهجرة لكنت امرأً من الانصار، الانصار شعار والناس دثار. (زاد المعاد)

ترجمہ: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا، انصار مقرب ترین اور مخصوص ترین ہیں، دوسروں کا درجہ ثانوی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو انصار مدینہ سے حسن معاملہ کی تلقین بھی فرمائی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ انصار مدینہ کی ایک مجلس سے گذرے، دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں، سبب دریافت کیا، معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا ذکر کر کے رو رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، آپ باہر تشریف لائے، منبر پر چڑھ کر حمد وثنا کے بعد فرمایا:

اوصیکم بالانصار، فانهم کرشی وعیبتی، وقد قضوا الذی علیهم، وبقی الذی لهم، فاقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسیئهم.

(بخاری شریف)

ترجمہ: اے لوگو! میں تم کو انصار کے بارے میں خیر کی ہدایت ووصیت کرتا ہوں، انصار میرے خاص، مقرب، راز دار اور قریبی ہیں، وہ اپنے ذمہ کے حقوق ادا کر چکے ہیں، ہاں ان کے حقوق باقی ہیں، تم ان کے نیکوکار کی بات قبول کرو، اور ان کے خطا کار سے درگذر کرو۔

ایمانِ کامل، اخلاص وایثار اور اتحاد واتفاق کی نعمت سے سرفرازی نے انصار کو اتنا بلند بنادیا تھا کہ قرآنِ کریم میں اللہ نے ان کا ذکر فرما کر انہیں جاودانی عطا فرمادی، اور بلاشبہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور نگاہِ کرم کا اثر تھا جس نے انہیں کندن اور کیمیا بنادیا تھا۔

انصار کا ایثار واتحاد سے آراستہ کردار سیرتِ نبویہ کا روشن ترین باب ہے، جو ہر طالب خیر کو اپنی روشنی سے فیض یاب ہونے کی مؤثر ترین دعوت پیش کر رہا ہے۔ کاش! ہم اس دعوت پر لبیک کہنے والے بن جائیں۔

ہجرت نبوی ﷺ (اسباب، نتائج وپیغام)

ہجرت نبوی کا واقعہ بلاشبہ تاریخ کا محیر العقول اور اہم ترین واقعہ ہے، جس نے یہ واضح کردیا ہے کہ اسلام صورت وخیال کا نہیں حقیقت وواقعہ کا نام ہے، اور جن کے دل حقیقت اسلام سے منور ومعمور ہوتے ہیں وہ دنیا کی ہر خرافات اور غلط روی کا مقابلہ کرتے اور انجام کار فتح مند وغالب رہتے ہیں۔ دوسری طرف جن کے سینے اس حقیقت سے تاباں نہیں ہوتے وہ کبھی بامراد نہیں ہوتے، ان کی نفسانی خواہشات ان پر حاوی رہتی ہیں، آزمائشوں میں وہ جادۂ مستقیم پر ثابت قدم نہیں رہتے، اوران کے قدم ہر وقت لغزش کھاتے ہی رہتے ہیں۔

اللہ کے مخلص انصار ومہاجر بندے جن کے سینوں میں حقیقت اسلام کا نور روشن تھا، اسی لئے اللہ کے محبوب ومقرب قرار پائے، اللہ نے ان میں محبت ڈال دی، اوران کے درمیان اخوت ومودت کا بے حد مستحکم اور اٹوٹ تعلق قائم کردیا، ساتھ ہی اللہ نے ان مخلصین کا ناطہ ان بدنصیبوں سے منقطع کردیا جو قدرت ووسعت کے باوجود ہجرت کی سعادت سے محروم رہے اور جن کو حقیقتِ اسلام کا کوئی ذرہ بھی میسر نہیں آسکا۔ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ:

ان الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ والذین اٰووا ونصروا اولئک بعضھم اولیاء بعض، والذین اٰمنوا ولم یھاجروا ما لکم من ولایتھم من شیئ حتی یھاجرو۔ (الانفال: ۷۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اوراپنے مال کھپائے، اورجن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اوران کی مدد کی، وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں، رہے وہ لوگ جو ایمان لے

آئے مگر ہجرت نہ کی، تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے، جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔

ہجرتِ نبوی فی الواقع نفس کی خواہشات اور آرزوؤں کے خلاف اعلانِ جنگ تھی، اور اس کا مقصد دعوتِ اسلامی کے کارواں کو تیزی سے منزل مراد کی سمت پر گامزن کرنا تھا، ہجرت کے یوں تو مختلف اسباب ہیں، مگر چند بنیادی اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) اہل ایمان پر دشمنانِ دین کی طرف سے ظلم وستم، اذیت وقساوت کا سلسلہ نا قابل برداشت حد تک پہنچ گیا تھا، صحابہ پر کئے گئے مظالم کا صرف تذکرہ ہی دل ہلا دیتا ہے، اور رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ حضرت بلال حبشی، حضرت سمیہ، حضرت یاسر، حضرت خباب، حضرت عمار اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم پر کئے گئے مظالم کی لرزہ خیز داستان اس کا ایک نمونہ ہے۔ مظلوموں کو ظلم سے بچانے، غیروں کو دائرۂ اسلام میں لانے اور ظلم کے اقدامات سے دور رکھنے کے لئے ہجرت کا عمل ناگزیر ہو گیا تھا۔ چناں چہ ہجرت کے بعد اہل اسلام کا دائرہ وسیع تر ہوا اور مسلمانوں کو کافروں کے ظلم سے خلاصی حاصل ہوئی۔

(۲) اہل حق کے لئے دشمنوں کی طرف سے اقتصادی ومعاشی بے شمار رکاوٹیں تھیں، خاندان بنو ہاشم، اور دیگر تمام مسلمانوں کا ایک عرصہ تک تمام کافروں نے مقاطعہ کیا، مکمل بائیکاٹ کی وجہ سے ان مظلوموں کو درختوں کے پتوں تک پر گزر اوقات کرنا پڑی، دعوتِ اسلامی کی نشر واشاعت کو روکنے کے لئے باہر کے لوگوں سے مسلمانوں کی ملاقات پر پابندیاں عائد تھیں، اس صورتِ حال کا بھی ہجرت کے وقوع پذیر ہونے میں اہم رول رہا۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمہ وقتی مؤید ومددگار اور مونس وغم خوار افراد کا سانحۂ وفات بھی بڑی اذیت کا باعث ہوا، چچا جان حضرت ابو طالب اور زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہی سال میں آگے پیچھے انتقال ہو گیا، ان کے بعد قریش کو آپ پر برملا کھل کر ظلم کرنے اور پریشان کرنے کا موقع مل گیا، اس صورتِ حال نے آپ کو حد سے زیادہ دل گیر اور رنجور کیا،

مدینہ منورہ کے انصار نے مخلصانہ تائید وتعاون کی جو پیش کش کی تھی، اس کو قبول کرنے میں اس صورتِ حال کا بھی کافی اثر رہا۔

(۴) قریش کی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی اور نخوت اور ان کا طبقاتی اونچ نیچ کا پائیدار نظام اسلام کی دعوت مساوات سے متصادم تھا، مدینہ منورہ میں اسلامی نظام مساوات کی تنفیذ کے کھلے مواقع فراہم تھے، یہ بھی ہجرت کا اہم سبب ثابت ہوا۔

بہر حال ہجرت نبویہ اسلام کے نئے دور کا نقطہ آغاز ثابت ہوئی، اور دعوتِ اسلامی کے میدان میں اس کی بنیاد پر ایک نیا انقلاب آیا، اور اس کے متعدد اثرات ظاہر ہوئے۔ ایک اثر دعوتِ حق کی آزادی کی شکل میں سامنے آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری آزادی کے ساتھ خدائے واحد کی عبادت کی دعوت میں مصروف ہوگئے، انصار کے دونوں قبیلے اوس وخزرج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پروانوں کی طرح اکٹھا رہتے تھے، ہر طرح سے آپ کی خدمت، مدد اور تعاون کے خواہاں تھے، یہ آزادیٔ دعوت ہجرت کا سب سے نمایاں نتیجہ تھا۔

قریش کی اذیتوں سے خلاصی اور مکمل امن وامان اور باہمی اخوت ومحبت کی مضبوط بنیادوں پر استوار بے خوف مؤمنانہ زندگی میسر ہونا ہجرت نبویہ کا دوسرا نتیجہ تھا۔

تیسرا اثر ہجرت کا مستقل اسلامی حکومت کی تشکیل کے روپ میں ظاہر ہوا، مکی زندگی کے تیرہ سال افراد کی اصلاح وتعمیر میں مصروف تھے، قلت تعداد اور کثرت مخالفین کی بنیاد پر مکہ میں اسلامی حکوت کا قیام نہیں ہوسکتا تھا، مگر مدینہ میں اہل حق کی کثرت اور امن وامان کی وجہ سے اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا، جس نے قیامت تک کے لئے امت کو صحیح اسلامی حکومت کا نمونہ فراہم کیا۔

چوتھا اثر ہجرت کا یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری تیاری وتنظیم کے ساتھ اپنے دشمنوں کا مقابلہ ومدافعت کرنے کی پوزیشن میں آگئے، مکہ کی بے کسی کی زندگی میں صبر ہی کا حکم تھا، مقابلہ کی نہ وسعت وقدرت تھی اور نہ اجازت۔ اب مدنی زندگی میں مدافعت ومقابلہ کی اجازت دی گئی اور مختلف معرکوں میں اہل حق نے اہل باطل کو ناکوں چنے چبوادئے اور اپنی حقانیت کا علم لہرادیا۔

ہجرت کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے مسجد قباء پھر مسجد نبوی کی بنیاد رکھی، خود تعمیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوئے۔

مسجد کی تعمیر کا مقصد اجتماعی نظام عبادت کو قائم کرنا اور ساتھ ہی مرکزیت واجتماعیت کی روح کو فروغ دینا تھا، چناں چہ پھر مسجد ہی مرکز بنی رہی اور تربیت وتزکیہ کے تمام تر کام یہیں سے انجام پاتے رہے۔

اس موقع پر دوسرا کام یہ ہوا کہ انصار ومہاجرین میں مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمائی، اوراس بنیاد پر ایک ایسا مخلص ومؤمن معاشرہ تشکیل پایا جس کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔

مواخات کے بعد تیسرے مرحلہ پر اسلامی حکومت کی تشکیل دی گئی، جس کی بنیاد وحدت عامہ، مساوات، ظلم وجرم کا مقابلہ، دشمن سے احتیاط، تعاون علی البر والتقویٰ، جیسے اصول پر رکھی گئی۔

یہ اس ہجرت نبویہ کے نتائج وثمرات ہیں جو عالم گیر انقلاب کا محرک اور داعی ثابت ہوئی، اور جس نے پوری انسانیت کو یہ پیغام دے دیا کہ ایمان وعقیدہ کی حفاظت جان سے بڑھ کر ہونی چاہئے، اللہ ورسول سے محبت کا بے حد مستحکم اور شعوری تعلق ہونا چاہئے، اور اعلاء حق اور غلبۂ دین کے لئے تڑپ اور فداکاری کا جذبہ دل میں موج زن ہونا چاہئے، اور اس کے لئے صبر وتحمل، توکل واعتماد، استقامت وثابت قدمی، سرفروشی وجاں بازی اور بلند کرداری وخوش خلقی کے اوصاف سے آراستگی کو کلیدی مقام حاصل ہے، یہی ہجرت نبویہ کا پیغام اور درس ہے، ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زندگی کا سفر اس کی روشنی میں رواں دواں رکھے اور کسی بھی موڑ پر اس روشنی سے خود کو محروم نہ ہونے دے۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناپاک ارادوں سے ڈنمارک وغیرہ میں طبع ہونے والے کارٹونوں اوران کے ردعمل میں عالمی سطح پر امت مسلمہ کے احتجاجی سلسلوں کے حوالے سے ایک چشم کشا تحریر:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت، بے ادبی اور گستاخی کی جو رذیل حرکتیں مغربی دنیا کی سرپرستی میں کچھ عرصے سے بڑے زور وشور سے جاری ہیں، ملت اسلامیہ کا ہر فرد ان کی وجہ سے اضطراب کا شکار ہے، ہر مسلمان کے دل میں ایک ہیجان ہے، ایمان کی چنگاری جو کبھی حالات کے دباؤ اور تہذیب حاضر کے زیر اثر آ کر دب جاتی ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی حرکتیں دیکھنے اور سننے کے بعد شعلۂ جوالہ بن گئی ہے، اور ملت اسلامیہ کے ہر فرد کے سامنے یہ سوال آ کھڑا ہوا ہے ۔

آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

پیغمبر اسلام علیہ السلام جنہوں نے اپنی پوری حیاتِ مبارکہ میں ہر لمحے محنت کر کے ایک عجیب وغریب انقلاب پیدا کیا، انسانیت کو جاہلیت اور ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم وہدایت کا نور عطا کیا، پوری دنیا کو امن، رحمت، سلامتی، انسانیت نوازی اور ایثار ومساوات کا درس دیا، قرآنِ کریم نے انہیں ''رحمة للعالمین'' قرار دیا، خود انہوں نے اپنا تعارف ''انا رحمة مهداة'' (میں خدا کی رحمت ہوں جو دنیا والوں کے پاس بطور تحفہ بھیجی گئی ہے) کے الفاظ سے کرایا، انہوں نے دنیا کو احترام انسانیت کا اصول عطا کیا اور اپنے حسن اخلاق کی قوت سے دل فتح

کر لئے، آج کچھ گستاخوں کی بدزبانیوں کی وجہ سے پوری ملت اسلامیہ کا جوش ایمانی ابھر آیا ہے، دنیا کے ہر حصہ میں ہر سطح پر ہونے والے مظاہرے، احتجاجی جلسے اور اجتماعات اہل اسلام کی اُسی ایمانی حمیت وغیرت کا ثبوت ہیں جو انہیں صحابہ کرام، اسلاف واکابر اور مجاہدین اسلام سے ورثے میں ملی ہے، گویا تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد محترم حضرت ابوقحافہ نے اسلام لانے سے قبل حضرت ابوبکر کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی ایسی بات کہی جس سے بے ادبی ہوتی تھی، یہ سن کر حضرت ابوبکر کی ایمانی حمیت اور پیغمبرانہ عقیدت جوش میں آ گئی، اور انہوں نے بلاتاخیر اپنے والد کو ایک طمانچہ رسید کر دیا، طمانچہ اتنے زور کا تھا کہ ان کے والد زمین پر گر پڑے، حضرت ابوبکر جن کا خاص امتیاز زبانِ نبوت میں

ارحم امتی بامتی ابو بکر.

ترجمہ: میری امت میں سب سے زیادہ رحم دل انسان ابوبکر ہیں۔

کے الفاظ سے بیان ہوا ہے، مگر شانِ رسالت میں گستاخی کا ایک کلمہ خواہ سگے باپ کی زبان سے ہی کیوں نہ ہو، انہیں مطلق برداشت نہ ہوا۔ (ملاحظہ ہو: معارف القرآن ۳۵۲/۸)

حضرت غرفہ رضی اللہ عنہ کا کردار

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے، وہاں مقیم عیسائیوں سے جان، مال اور عزت وآبرو کے تحفظ کا معاہدہ تھا، حضرت عمرو ذمی عیسائیوں کی خاص خبر گیری کرتے تھے اور اس کا اہتمام کرتے تھے کہ ان کا تحفظ رہے، اور کوئی گزند نہ پہنچے۔ ایک بار دورانِ مجلس ایک عیسائی سردار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے دی، حضرت غرفہ رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انہیں اس اہانت رسول پر بڑا طیش آیا اور انہوں نے

اس گستاخ کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ رسید کردیا، عیسائیوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تک شکایت پہنچائی، حضرت غرفہ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا گیا، انہوں نے پوری صورتِ حال بتائی اور واضح کیا کہ ہمارا ان عیسائیوں سے معاہدہ ضرور ہے، مگر یہ ملحوظ رہے کہ ہم اپنی، اپنے والدین کی، اپنے اقرباء کی تذلیل وتوہین گوارا کرسکتے ہیں، مگر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین قطعاً گوارا نہیں کریں گے، حضرت عمرو نے کہا: ''بے شک غرفہ تم ٹھیک کہتے ہو''۔ (اسد الغابہ تذکرۂ غرفہ)

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا کردار

دورِ اول کے مسلمانوں میں صحابیِ جلیل حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا نام نامی سرِ فہرست ہے، خلافت فاروقی میں شام کی معرکہ آرائی میں مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے، رومیوں نے ان کو عیسائیت قبول کرنے اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے اور ان سے دست بردار ہونے کا حکم دیا، مگر انہوں نے پوری جرأت مؤمنانہ کے ساتھ انکار کردیا، ان کے سامنے کھولتے ہوئے تیل کی کڑھائی میں بعض مسلمانوں کو ڈال دیا گیا، یہ منظر دیکھ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رونے لگے، عیسائیوں نے کہا کہ اب تمہیں موت نظر آرہی ہے، اس لئے رو رہے ہو، اب بھی موقع ہے کہ عیسائیت قبول کرلو، اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

> ''تم یہ سمجھتے ہو کہ میں موت کے ڈر سے روتا ہوں، خدا کی قسم میں اپنے اس انجام پر نہیں؛ بلکہ اس مجبوری پر رو رہا ہوں کہ میرے پاس اللہ ورسول پر قربان کرنے کے لئے بس ایک ہی جان ہے، کاش! میری لاکھوں جانیں ہوتیں میں اس تیل کی کڑھائی میں گرکر ان کو اللہ ورسول کے لئے قربان کرتا رہتا''۔

عشق وعقیدت کا یہ جذبہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے، رومیوں نے کہا کہ اگر تم ہمارے بادشاہ کی پیشانی کو بوسہ دو تو تم سمیت سبھی مسلمانوں کو آزاد کردیا جائے گا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بادلِ ناخواستہ صرف اسّی مسلمانوں کی جان بچانے کی خاطر عیسائی بادشاہ کی پیشانی چومی،

مدینہ منورہ پہنچے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو غایت مسرت سے انہوں نے حضرت عبداللہ کی پیشانی چوم لی، واقعہ یہ ہے کہ:

ع: جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہے زنجیریں

(اسدالغابہ سوم)

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کا کردار

غزوۂ مریسیع کے موقع پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کی شان میں گستاخی کی، انہیں ذلیل قرار دیا، انہیں مدینہ منورہ سے نکالنے کی منصوبہ سازی کی، اس نے اپنے ساتھیوں اور مدینہ منورہ کے باشندوں سے کہا کہ تم نے ان مسلمانوں کو کھلا پلا کر موٹا کیا ہے، اب یہ تم ہی کو آنکھ دکھا رہے ہیں، ان کی مثال تو اس کتے جیسی ہے جسے کوئی کھلا پلا کر موٹا کر دے اور پھر کتا اسی پر حملہ آور ہو جائے۔ قرآنِ کریم ذکر کرتا ہے:

یقولون لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل، ولله العزة ولرسوله وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون. (المنافقون: ۸)

ترجمہ: منافق کہتے ہیں کہ ہم مدینے واپس پہنچ جائیں تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال باہر کرے گا، حالاں کہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور اہل مدینہ کے لئے ہے، مگر یہ منافق جانتے نہیں ہیں۔

عبداللہ بن ابی کی اس حرکت کا علم ہوتے ہی حضرت عمر جوش میں آگئے، خود عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے حضرت عبداللہ جو مخلص مسلمان تھے، آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کا حکم ہو تو اپنے گستاخ باپ کی گردن پیش کر دوں، سفر سے واپسی پر حضرت عبداللہ مدینہ منورہ آنے سے قبل ہی تلوار سونت کر کھڑے ہوگئے اور اپنے باپ سے کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، اب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت آپ کی ہے یا اللہ ورسول کی، خدا کی قسم آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم اجازت نہ دیں، پھر جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی باحمیت مؤمن بیٹے نے اپنے منافق گستاخ باپ کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا۔ (معارف القرآن ۸/۴۵۳مختصراً)

مجاہد اعظم صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کا کردار

ہلالِ نو کی درانتی سے فصل صلیبی کاٹنے والا مرد مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی جب یہ سنتا ہے کہ عیسائی سالار ارناط نے شانِ رسالت میں گستاخی کی ہے اور مدینہ جاکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک نکال کر ذلیل کرنے کی سازش رچی ہے، تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے، قاضی بہاء الدین شداد کے بقول جب ارناط کچھ عرصے بعد سلطان کے سامنے لایا جاتا ہے تو ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر سلطان اپنی تلوار سے اس کا سر قلم کردیتا ہے اور سجدے میں گرجاتا ہے، اس کے آنسوؤں کی لڑیوں سے زمین دھلتی ہے، وہ کہتا ہے کہ خدایا! میرے نامۂ اعمال میں صرف سیاہ کاریاں ہیں، تیرے محبوب کی محبت وعقیدت میں گستاخ کا جو قتل میں نے کیا بس اسی کو توشۂ آخرت سمجھتا ہوں۔ (حیاتِ صلاح الدین ۴۰)

شیخ عبدالنبی رحمہ اللہ کا کردار

۱۵۷۹ء میں متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے مسجد کی تعمیر کے لئے سامان جمع کیا، اس پر ایک برہمن سردار نے اعتراض کیا، اور مسجد کی جگہ زبردستی مندر تعمیر کرالی، مسلمانوں نے روکنا چاہا تو اس نے برملا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں، قاضی عبدالرحیم شکایت لے کر دربارِ اکبری کے صدر الصدور شیخ عبدالنبی کے پاس پہنچے، صدر الصدور نے برہمن کو دربار میں طلب کرلیا، مقدمہ پیش ہوا، برہمن کا جرم ثابت ہوگیا، شیخ عبدالنبی نے اسے موت کی سزا سنائی، برہمن مال دار اور بااثر تھا، اس کی سفارش میں اکبر کے وفادار راجپوت اور ہندو رانیاں اٹھ کھڑی ہوئیں، اس کی رہائی کی کوشش کی، اکبر کو مشتعل کردیا، شیخ کو جان کی دھمکی دی گئی، مگر شیخ عبدالنبی سمجھتے تھے کہ ؎

ع: بے جرأتِ رندانہ ہر عشق ہے روباہی

چناں چہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ مجھے اپنی جان کی قربانی گوارا ہے مگر اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم گوارا نہیں، برہمن کو قتل کیا گیا، اور پھر شیخ عبدالنبی کو بھی عقیدت کا خراج اس طرح ادا کرنا پڑا کہ انہیں شہید کر دیا گیا اور انہوں نے یہ کہتے ہوئے جان دے دی کہ ۔

ع: اِک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

(رود کوثر: شیخ محمد اکرام ۱۰۱)

گستاخِ رسول ﷺ کی سزا

عہد رسالت کا مشہو مجرم گستاخ رسول عبدالعزیٰ بن خطل تھا، اس نے دو لونڈیاں آپ کی ہجو کے اشعار گانے کے لئے متعین کر رکھی تھیں، فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو رائگاں قرار دیا، اور حکم دیا کہ اگر وہ کعبے کے پردے کے نیچے بھی پایا جائے تو اسے قتل کر دیا جائے، چناں چہ اسے قتل کر دیا گیا، اس کی ایک لونڈی بھی قتل کی گئی، اور ایک نے اسلام قبول کر کے نجات حاصل کر لی۔ (الرحیق المختوم ۶۳۵-۶۳۶)

گستاخوں کی تذلیل کا قرآنی اعلان

قرآنِ کریم بڑی وضاحت کے ساتھ کہتا ہے:

ان الذین یحادون اللّٰہ ورسولہ اولٰئک فی الاذلین، کتب اللّٰہ لاغلبن انا ورسلی، ان اللّٰہ قوی عزیز۔ (المجادلۃ: ۲۰-۲۱)

بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ترین مخلوقات میں سے ہیں۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے، فی الواقع اللہ زبردست اور غالب ہے۔

واضح کر دیا گیا کہ مخالف گستاخ کا مقدر ذلت و رسوائی ہے، اور غلبہ خواہ سیاسی ہو یا اخلاقی، اللہ و رسول اور اہل ایمان کا مقدر ہے۔

لمحۂ فکریہ

قرآن وسنت، اسلام وشریعت، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مقدسات وشعائر اسلام کی اہانت اور تذلیل کے مقصد سے مغربی دنیا میں طویل مدتی اور انتہائی منظم منصوبے کے تحت کی جانے والی گستاخانہ حرکتیں، تحریری اور تقریری جسارتیں اور قولی وعملی گستاخیاں اِدھر ایک عرصے سے پورے زور وشور سے جاری ہیں، اور دنیائے اسلام کے پرشور وپرزور مثالی احتجاج کے باوجود یہ گستاخیاں کرنے والی جماعتیں اپنے موقف پر اٹل اور اسے اپنی رائے کے اظہار کی آزادی قرار دینے پر مصر ہیں۔

تذلیل واہانتِ قرآن ورسول کی ناپاک کوششیں اس سے پہلے بھی ہوئی ہیں، مگر موجودہ کوشش اس عالمی منظر نامے میں ہورہی ہے کہ امریکہ اور اس کے حلیف افغانستان وعراق کو تباہ کرنے کے بعد اب ایران کو تباہ کرنے کے لئے عملی قدم اٹھانے کی آخری تیاریوں میں ہیں، عریانیت اور فریب وبگاڑ کے خمیر سے تیار شدہ مواد میڈیا کے ذریعہ مسلسل پھیلایا جارہا ہے، اور اس طرح اخلاقی اقدار کو ملیامیٹ اور حقائق اور صداقتوں کو تزویر وتلبیس کے پردوں میں لپیٹا جارہا ہے، اور اسلام کو مسخ کرنے کے لئے چوطرفہ کوششیں ہورہی ہیں۔

قرآنِ کریم اور حامل قرآن پیغمبر علیہ السلام سے اہل اسلام کا تعلق مذہبی اور جذباتی ہے، اور عاشقانہ وعقیدت مندانہ رنگ لئے ہوئے ہے، اس لئے اہانت کی حرکتوں پر جذبات کا متلاطم ہونا اور قلب ودماغ کا اضطراب اور ہیجان ایک فطری امر ہے، اور پھر احتجاج ومظاہرہ کے ذریعہ گستاخوں کے تئیں اپنی نفرت کا اظہار اور اپنے حقوق اور مذہبی مقدسات کے تئیں فکرمندی کا اعلان ہمارا اپنا حق ہے، اور الحمد اللہ ہم اس پہلو سے بے حد بیدار مغزی، شعور اور دینی حمیت وغیرت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ پورے ہندوستان؛ بلکہ پورے عالم میں ہونے والے مسلسل مظاہرے اور احتجاجی جلسے اس بات کا ثبوت ہیں کہ ملت اسلامیہ اپنے پیغمبر سے اور اپنے قرآن سے غایت درجہ جذباتی اور عقیدت مندانہ تعلق رکھتی ہے، اور پیغمبر علیہ السلام کی شان میں کسی بھی طرح کی بے ادبی اور اہانت کو گوارا کرنے کا تصور بھی وہ نہیں کرسکتی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا یہ جذباتی تعلق اوران کی اہانت پر ہمارا یہ اضطراب بے حد مبارک ہے، مگر اسلام ہم سے یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ پیغمبر اور قرآنِ کریم سے جذباتی تعلق کی طرح ہی ان سے ہمارا عملی تعلق بھی اتنا ہی ضروری ہے، مقام افسوس ہے کہ ہمارے جذباتی تعلق کی گواہ پوری دنیا بنے اور ہمارے عملی تعلق کا عالم یہ ہو کہ:

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

آج ملت کی داخلی اور معاشرتی صورتِ حال یہ ہے کہ بداخلاقی، بے راہ روی، دین سے دوری اور رسوم وخرافات کی اندھی تقلید کا ایک طوفان آیا ہوا ہے، مغربی تعلیم وتہذیب کی ترویج کی لعنت یہ ہے کہ عقائد پر زد پڑ رہی ہے، بے عملی کی فضا عام ہے، معاملات میں اسلامی اصول اور اجتماعی اقدار کو پامال کر کے صرف حصول زر کو مطمح نظر بنالیا گیا ہے، حلال وحرام کی تمیز اٹھ گئی ہے، سماجی زندگی، خاندانی، قومی، غیر اسلامی رسوم اور خرافات کی نذر ہو گئی ہے، حسن اخلاق کے جوہر گراں مایہ سے ہم تہی دامن ہوتے جا رہے ہیں۔

اپنی عملی زندگی میں قرآن کریم وسنت رسول سے اس انحراف کا بدل کیا ہمارا جذباتی احتجاج ہوسکتا ہے؟ کیا صرف جوشِ گفتار کافی ہے؟ کیا عملی ایمان کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ جس طرح ہم قرآنِ کریم اور پیغمبر اسلام سے جذباتی اور قلبی تعلق رکھتے ہیں، اس سے زیادہ عملی تعلق رکھیں، جس قوت سے ہم احتجاج کررہے ہیں، اسی قوت سے اپنی عملی زندگیوں میں انقلاب پیدا کریں، اپنے سماج کی اصلاح کے لئے سرگرم ہو جائیں، اللہ نے اپنا نظام ایسا بنایا ہے کہ اگر انسان اپنے قلب کی دنیا میں انقلاب پیدا کرلے تو باہر کی دنیا میں بھی انقلاب آ ہی جاتا ہے۔

کرنے کے کام

موجودہ حالات میں ہمیں کیا کرنا ہے؟ اس کا مختصر خاکہ یہ ہے:

(۱) اپنے ایمان ویقین کو مستحکم اور مکمل کرنا ہے، جو نقائص اور کمیاں در آئی ہیں ان کا ازالہ

کرنا ہے۔

(۲) دین کے لئے قربانیوں اور جاں فشانیوں کا مزاج پیدا کرنا ہے۔

(۳) معاشرے میں پھیلے ہوئے بگاڑ کی اصلاح کے لئے عملی قدم اٹھانا ہے۔

(۴) اپنی عملی زندگی کی اصلاح کو سب سے مقدم رکھ کر غازیٔ گفتار کے بجائے غازیٔ کردار بننا ہے۔

(۵) عقائد، معاملات، عبادات، معاشرت اور اخلاق سبھی شعبوں میں اسلام کے نظام کی تابع داری کرنی ہے۔

(۶) تقویٰ کی روحانی طاقت کے حصول کے ساتھ معاشی طور پر بھی اور اسباب و وسائل کے اعتبار سے بھی طاقت ور بننا ہے؛ تاکہ کوئی ہم کو نوالۂ تر سمجھنے کی غلط فہمی میں نہ رہے۔

(۷) ممکنہ اسباب اور محنت کے ساتھ ہی توکل اور دعا کا اہتمام کرنا ہے۔

(۸) دین کے معاملے میں کسی طرح کی مفاہمت اور کمپرومائز نہیں کرنا ہے؛ بلکہ ایمانی غیرت وحمیت کا ثبوت دینا ہے، اور دنیا کو یہ دکھا دینا ہے کہ اہل اسلام باطل سے کبھی دبنے والے نہیں ہیں۔

اس خاکے کے مطابق عمل کرلیا جائے تو اس بات کی ضمانت ہے کہ دنیا وآخرت کی کامیابیاں قدم بوس ہوں گی، باطل طاقتوں کے منصوبے ناکام ہوجائیں گے، اور اللہ کی نصرت حاصل ہوگی اور:

ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم.

ترجمہ: اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

کا عملی ظہور ہوگا۔

حالات کا پیغام

پوری دنیا میں اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت کے جو طوفانی حالات ہیں اور جن کا ایک

نمایاں مظہر اہانت رسول کی مجرمانہ حرکتیں ہیں، ان حالات کا واضح پیغام ہر مسلمان کے نام یہی ہے کہ ایمانی اور اخلاقی طاقت کے حصول کے ساتھ ہر مسلمان ظلم و جور کے سامنے سپر انداز نہ ہونے اور حق کے لئے جد و جہد کرتے رہنے اور تادم مرگ اسی مبارک سرگرمی میں لگے رہنے کا عہد کر لے؛ بلکہ اپنے دل میں قسم کھالے، ابلیسی اور طاغوتی طاقتوں کو اصل خطرہ مسلمانوں سے ہے۔ اقبال نے انہیں کی زبان میں کہا ہے:

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کے خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

ان کو خطرہ ہمارے شرار آرزو، روح جہاد اور ہماری بیداری سے ہے، ہمیں خود اپنی فضا بنانی ہے، اپنی بقاء کی فکر کرنی ہے، ہم دوسروں کے دست نگر نہیں ہیں۔ اقبال نے ہر مسلمان کو فتنے کے حالات کے لئے یہ پیغام عمل دیا ہے:

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری ❖ مرے درویش خلافت ہے جہاں گیر تری
ما سوا اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری ❖ تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کردے

محبتِ رسول ﷺ کے ثمرات ونتائج

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت اور عشق کا تعلق ایمان کی تکمیل اور معتبریت کے لئے بنیادی شرط ہے، اور جس دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عشق پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے بے حد خوش گوار نتائج سامنے آتے ہیں، اور انسان کی زندگی میں نمایاں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔

(۱) ایمانی حلاوت

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے نمایاں ثمرہ اور نتیجہ حلاوتِ ایمانی کی دولت بیش بہا کا حصول ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں:

ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان: أن یکون اللّٰه ورسوله أحب الیه مما سواهما، وان یحب المرءَ لا یحبه الا للّٰه، وان یکره أن یعود فی الکفر بعد اذ أنقذه اللّٰه منه کما یکره ان یقذف فی النار.

(البخاری: باب حلاوة الایمان)

ترجمہ: تین خصلتیں جس شخص میں آجائیں اسے ایمان کی حلاوت مل جاتی ہے: (۱) دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ اللہ ورسول سے محبت ہو۔ (۲) کسی سے محبت ہو تو صرف اللہ کے لئے ہو۔ (۳) من جانب اللہ کفر سے بچا لئے جانے کے بعد کفر میں واپسی آگ میں ڈالے جانے کی طرح ناگوار و ناپسند ہو۔

حلاوتِ ایمانی سے مراد طاعات کی لذت اور راہِ خدا میں مشقتوں کو برداشت کرنے کا جذبہ پیدا ہو جانا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

ذاق طعم الایمان من رضی باللّٰہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم رسولاً۔

ترجمہ: جو اللہ کو رب بنانے، اسلام کو دین بنانے اور آپ کو رسول بنانے پر راضی ہو۔ (یعنی ربوبیت کے باب میں اللہ پر، دین کے باب میں اسلام پر اور رسالت کے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح مطمئن اور قانع ہو کہ غیر کی طلب تک اس کے دل میں نہ آئے) اسے ایمان کا ذائقہ اور لذت مل جاتی ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ عشق رسول کے نتیجے میں ایمانی حلاوت اور لذت نصیب ہوتی ہے، جو ایک مسلمان کے لئے سب سے بیش قیمت دولت اور مایۂ افتخار ہے۔

(۲) آخرت میں آپ ﷺ کی معیت

تقریباً ۲۰ صحابہ سے یہ روایت منقول ہے کہ ایک آدمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ:

متی الساعۃ؟

ترجمہ: قیامت کب آئے گی؟

آپ نے فرمایا:

ما اعددت لھا؟

ترجمہ: تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟

اس نے جواب دیا کہ:

ما اعددت لھا من کثیر صلاۃ ولا صوم ولا صدقۃ، ولکنی احب اللّٰہ ورسولہ۔

ترجمہ: میں نے زیادہ تیاری نہیں کی، نہ تو میرے پاس زیادہ نمازیں ہیں، نہ زیادہ روزے اور نہ زیادہ صدقے، بس یہ ہے کہ مجھے اللہ و رسول سے گہری محبت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انت مع من احببت.

ترجمہ: تم آخرت میں اس کے ساتھ رہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو۔

راویٔ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اسلام لانے کے بعد ہمیں سب سے زیادہ خوشی آپ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اللہ و رسول سے محبت کرتا ہوں، اور مجھے ابوبکر و عمر سے بھی محبت ہے، مجھے امید ہے کہ میرا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا، اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں۔

(مسلم: کتاب البر والصلۃ، بخاری: کتاب الادب)

معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا عشق رکھنے والے خوش نصیب افراد کو قیامت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت کا شرف حاصل ہوگا۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے چہرے پر غم اور پریشانی کے آثار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پریشانی کا سبب دریافت کیا، انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جب میں آپ سے دور ہوتا ہوں تو فوراً آپ کے دیدار کے لئے دل بے قرار ہونے لگتا ہے، میں سوچتا ہوں کہ قیامت کے دن جنت میں آپ کو سب سے عالی مقام عطا کیا جائے گا، اور میں گنہگار انسان ہوں، اگر جنت میں پہنچ بھی گیا تو کسی نیچے کے درجے میں رہوں گا؛ اس لئے آپ کا دیدار کیسے ہو سکے گا؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین، وحسن اولئک رفیقاً. (النساء)

ترجمہ: جو لوگ اللہ و رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ قیامت میں ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، انعام یافتہ لوگ انبیاء، صدیقین، شہداء

اورصالحین ہیں،اور یہ بہترین رفیق ہیں۔

(۳) سعادت کا حصول

قرآن وسنت کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بندہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اورمحبت کے حقوق ادا کرنے میں سرگرم رہتا ہے،اسے دنیا وآخرت کی سعادتیں میسر آتی ہیں،کام یابی اس کے قدم چومتی ہے،قرآن میں اللہ ورسول سے تعلق ومحبت رکھنے والوں کو اللہ کی جماعت قرار دیا گیا ہے،اوران کے لئے غلبہ وفلاح کی ضمانت لی گئی ہے،اورانہیں اللہ کی بے پایاں رحمتوں کا اولین مستحق قرار دیا گیا ہے،ایک انسان کی سب سے بڑی سعادت آخرت کی فلاح ونجات ہے،اوراس کا حصول ایمان کامل پر موقوف ہے۔ظاہر ہے کہ ایمان کامل کی نعمت بغیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچے اور گہرے عقیدت مندانہ تعلق کے میسر نہیں آسکتی؛اس لئے وہ بندہ بڑا خوش بخت ہے جس کے دل ودماغ محبت رسول کی دولت سے مالا مال ہوں،اور جو اللہ ورسول سے اس قدر محبت کرتا ہو کہ کائنات کی دوسری تمام محبتیں اس کی محبت کے سامنے بے مایہ اور ہیچ ہو جائیں۔

ایک اسلامی معاشرہ، انسانی معاشرہ کو
کیسے متأثر کرسکتا ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد شرک اور ضلالت میں ڈوبے ہوئے سماج میں توحید کی صدا بلند کی، مکۃ المکرّمہ کے شرک زدہ ماحول میں توحید کی یہ صدا بے حد نامانوس تھی، اور اس کی زد براہِ راست رؤسائے کفار کے موروثی دین باطل پر پڑ رہی تھی؛ اس لئے مخالفتوں کا ایک طوفان اُمڈ آیا، توحید کی صدا پر لبیک کہنے والے گنتی کے چند افراد پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا، مگر ان تمام مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کے باوجود قافلۂ توحید بڑھتا گیا، بالآخر مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مثالی آئیڈیل اسلامی معاشرہ تشکیل پایا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سماج ایک نمونے کا مسلم سماج تھا، اور اس کی بے شمار امتیازی خصوصیات وکمالات اور خوبیوں نے پورے عالم کو متأثر کیا، اور پھر اس کے نتیجے میں مشرق سے تا بمغرب اسلام پھیلا اور اسلام کا حلقہ اور دائرہ پھیلتا اور بڑھتا گیا، مرورِ ایام سے پھر بعد کی صدیوں میں اس معاشرہ کی خصوصیات کم ہونا شروع ہوئیں، اور پھر اس کی تاثیر اور مقبولیت کا گراف بھی نیچا ہوتا گیا، اور اب موجودہ صورتِ حال مسلم سماج کی یہ ہے کہ ہر طرف اخلاقی طاعون پھیلا ہوا ہے، اباحیت اور عریانیت، مادیت اور حیوانیت کے باب میں نمونے کا مقام رکھنے والی یوروپی تہذیب کی دریوزہ گری اور اندھی تقلید نے تمام مذہبی اور اخلاقی اقدار پر تیشے چلا ڈالے ہیں، اور بقول حافظ شیرازی:

ع: ہمہ آفاق پر از فتنہ وشری بینم

پوری دنیا فتنہ اور شر کی آماج گاہ بنی ہوئی نظر آتی ہے، اور حدیث نبوی کے بموجب گناہوں کی بہتات اور گندگی نے تباہی کے دہانے پر کھڑا کردیا ہے، مسلم سماج کی یہ بدحالی اور بے راہ روی پورے انسانی سماج کی نگاہ میں اس کی دناءت اور رذالت کی منظر کشی کرتی ہے، اور مسلمانوں کی عملی زندگی پر نگاہ رکھنے والا انسان متأثر ہونے کے بجائے مایوس، بددل وبدگمان اور نفور وگریزاں ہوتا ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ، انسانی معاشرہ کو اسی وقت متأثر کرسکتا ہے جب وہ قرنِ اول (عہدِ صحابہؓ) کے مثالی سماج کی نمایاں خصوصیات اختیار کرلے، اوران سے انحراف کو اپنے لئے تباہی کی علامت اسی طرح باور کرے جس طرح صحابۃ الرسول ان خصوصیات سے کسی بھی قیمت پر دست بردار ہونا ہلاکت کے مرادف سمجھا کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاشرہ کی تمام خصوصیات کا احاطہ تو دشوار ہے، تاہم ان کے روشن عناوین کچھ یوں ہیں:

(۱) موقفِ حق پر محکم یقین اور استقامت

دل کی گہرائیوں سے حق قبول کرلینے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسا پختہ یقین اور اپنے موقف پر ایسا ثبات واستقلال حاصل ہوجاتا تھا کہ بادِ مخالف کے کتنے ہی جھکڑ کیوں نہ چلیں، رکاوٹوں کا طوفان کیوں نہ آجائے اور مصائب ومشکلات کی بھٹیوں میں تپایا کیوں نہ جائے؟ وہ کوئی لچک اور نرمی پیدا کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے، دشمنوں کی ترغیبات وتحریصات کا دام ہو یا تہدیدات وتشدیدات کی کارروائی، ان کے موقف میں سرمو انحراف نہ آتا تھا اوران کی زبانِ حال یہ پیغام دیتی تھی ؎

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

(۲) جذبۂ ایثار وقربانی

معاشرتی زندگی کی کامیابی کا راز ایثار وقربانی میں ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سماج ایثار وقربانی کا آئیڈیل سماج تھا، قرآنِ کریم انصار صحابہ کے جذبۂ ایثار کو:

ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة. (الحشر)

ترجمہ: وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ خود اپنی جگہ محتاج

کیوں نہ ہوں۔

کے الفاظ سے بیان کرتا ہے۔ سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مالی ایثار کی بے شمار داستانیں ہیں، ہجرت نبوی کے پرخطر سفر کے موقع پر دشمنانِ اسلام کی طرف سے اجتماعی طور پر قتل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منظم پلاننگ معلوم ہونے کے باوجود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر آرام، اسی طرح سفر ہجرت کی دشوار گذاریوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے والہانہ طلب پر شرکت ورفاقت جانی ایثار کے عدیم النظیر نمونے ہیں۔

غزوات کا موقع ہو، حفاظت رسول کا موقع ہو، تحفظ دین کا موقع ہو، ملت کی خدمت کا موقع ہو، ہر موڑ پر صحابہ کی قربانیوں اور ایثار کے ریکارڈ موجود ہیں، اور اسلام سے محروم انسانی سماج پر صحابہ کے اس جذبے نے کیا کیا اثرات مرتب کئے اور کس طرح وہ اسلام سے قریب آیا، یہ بالکل واضح ہے۔

(۳) نافعیت اور مواسات

سب سے بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے، مسلمان وہی ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے انسان محفوظ رہیں، مؤمن وہی ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے سلسلہ میں مامون و بے خوف ہیں، اللہ کا سب سے محبوب بندہ وہ ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرے، ان بنیادوں پر آپ نے اسلامی معاشرہ قائم فرمایا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاشرے کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے ہمیشہ یہی انداز اپنائے رکھا کہ ؎

مری زبان وقلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی کو شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ سے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پہلی ملاقات میں یہ نصیحت کی تھی کہ تم کبھی کسی کو برا بھلا مت کہنا، وہ فرماتے ہیں کہ کہ پھر مرتے دم تک میں نے نہ کسی آزاد کو برا کہا نہ کسی غلام کو، اور انسان تو انسان ہے، کسی اونٹ اور بکری کے لئے بھی سخت کلمہ میری زبان سے نہیں نکلا، دوسروں کے درد کو اپنا سمجھنا؛ بلکہ اپنے درد سے زیادہ اس کا احساس اور ہمہ وقت دوسروں کو نفع پہنچانے کی

کوشش صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاشرے کا طرۂ امتیاز تھا۔

(۴) عدل ومساوات

قرآن ایسا ایمانی معاشرہ چاہتا ہے جو انصاف کا علم بردار اور مساوات کی روش پر قائم ہو، طبقاتی تفاوت اور اونچ نیچ اسلام کی نگاہ میں جاہلیت کی لعنت اور غلاظت ہے، ظلم اور ناانصافی امن عالم اور بقائے انسانیت کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا معاشرہ عدل ومساوات کی شاہ راہ پر گامزن تھا، اس سماج میں ہر فرد عدل کا خوگر تھا، خواہ اس کی زد اس کی اپنی ذات یا اس کے والدین واقارب پر کیوں نہ آتی ہو؟ اسی طرح مساوات اور برابری کے لحاظ سے بھی وہ معاشرہ نمونے کا تھا۔ مشہور غسانی سردار جبلہ بن ایہم جس نے اسلام قبول کرلیا تھا اور طواف کے دوران ایک دیہاتی مسلمان کا پاؤں اس کے تہ بند پر جا پڑا تھا، جس پر اس نے اسے اتنی زور سے مارا کہ ناک کا بانسہ ٹیڑھا ہوگیا اور خون رسنے لگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سنایا کہ یا تو بدو کو راضی کرو یا قصاص کے لئے تیار ہوجاؤ، جبلہ نے لاکھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہا، مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسلام شاہ وگدا کا فرق نہیں کرتا، اس کا قانون عام مساوات کا قانون ہے، بالآخر جبلہ نے کچھ مہلت لی، اور راتوں رات بھاگ کر پھر عیسائی ہوگیا، مگر اسلامی قانونِ عدل ومساوات پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنچ نہ آنے دی۔

(۵) اجتماعیت واخوت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاشرہ باہمی الفت ومحبت میں جسم واحد کی طرح تھا، اور باہمی اتحاد واجتماعیت میں اس کی کیفیت ﴿بنیان مرصوص﴾ (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) کی طرح تھی، اوس وخزرج کی باہمی طویل خانہ جنگی اور سلسلۂ کشت وخون اسلام کی برکت سے باہمی محبت والفت میں اس طرح تبدیل ہوئے کہ منافق اور یہود مل کر بھی اس اجتماعیت میں دراڑ پیدا نہ کرسکے، اختلاف کو ہوا دینے والی چیزوں سے، ہر طرح کی بدگمانیوں اور بے جا خدشات سے اور

افواہوں پر یقین کرنے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا سماج پاک تھا، اور اسی لئے اس میں مثالی اتحاد اور اخوت کا جذبہ تھا، جو دوسروں کو حد سے زیادہ متأثر و مرعوب کرتا تھا۔

(۶) قول و عمل کی یکسانیت

قرآنِ کریم کی صراحت کے مطابق قول و عمل کا تضاد اللہ کی نگاہ میں بے حد مبغوض عمل اور انسانی سماج کے لئے زہر قاتل ہے، معاشرے کی اصلاح کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ ہر فرد غازیٔ کردار ہو۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنا اول خطبۂ خلافت اس حقیقت کے اظہار سے شروع کیا تھا کہ آج مسلمانوں کو غازیٔ کردار رہنما کی ضرورت ہے، نہ کہ غازیٔ گفتار ورہنما کی۔ عہد صحابہ قول و عمل کی یکسانیت میں ممتاز تھا، اور اس معاشرے کا ہر فرد جو کہتا تھا سب سے پہلے اس پر عمل کر کے دکھاتا تھا، چناں چہ اس کی تاثیر یہ سامنے آتی تھی کہ گروہ در گروہ لوگ آ کر اسلام کے دامن میں پناہ لیتے تھے۔

(۷) پاکیزگی

اسلام کا مطالبہ انسان سے ہمہ جہتی پاکیزگی کا ہے، صحابہ کا معاشرہ سر سے لے کر پیر تک پاکیزگی کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، ان کے دل و دماغ باطل خیالات اور باطنی امراض سے پاک تھے، ان کی نگاہ پاکیزہ تھی، ان کی خوراک و پوشاک پاک تھی، ان کا ماحول ظلم اور عریانیت سے پاک تھا، ان کی انفرادی زندگی کا ہر پہلو اور گوشہ پاکیزہ تھا، ان کی زبان پاک تھی، اور ان کی سیاست بھی مکر و فریب سے پاک تھی، شراب کی رسیا عرب قوم کو جب اس کے ناپاک و حرام ہونے کا علم ہوا تو پورا مدینہ منورہ شراب کی لعنت سے پاک ہو گیا، تاریخ صحابہ پاکیزگی کے بے شمار ہمہ جہتی نمونوں سے مالا مال تاریخ ہے۔

(۸) ادائے حقوق

اسلام نے بندگانِ خدا پر حقوق عائد کئے ہیں، اللہ کے حقوق کی الگ فہرست ہے، اور بندوں کے حقوق کی الگ؛ بلکہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی نسبۃً زیادہ اہم قرار دی گئی ہے، صحابہ کی

زندگی میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا جو اہتمام نظر آتا ہے وہ بے نظیر ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قرآنی، ربانی اور ایمانی معاشرے کی بے شمار خصوصیات کے یہ روشن خطوط ہیں؛ اس لئے بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ ان خصوصیات کو اپنائے بغیر اور اسوۂ صحابہ کی پیروی کئے بغیر انسانی معاشرے کو نہ تو متأثر کرسکتا ہے اور نہ اپنی عملی زندگی میں کامیابی اور سعادت سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔

مراجع ومصادر

(۱)	تفسیر الکشاف	جار اللہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ
(۲)	بدائع التفسیر	ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ
(۳)	التفسیر الکبیر	امام رازی رحمۃ اللہ علیہ
(۴)	البحر المحیط	ابوحیان الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ
(۵)	تفسیر البیضاوی	قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ
(۶)	تفسیر ابن کثیر	امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
(۷)	جامع البیان	علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ
(۸)	الجامع لاحکام القرآن	علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ
(۹)	فی ظلال القرآن	سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ
(۱۰)	احکام القرآن	ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۱)	معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۱۲)	ترجمان القرآن	مولانا ابوالکلام آزاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۱۳)	تدبر قرآن	مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۴)	تفسیر ماجدی	مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۵)	صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ
(۱۶)	صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۷)	جامع الترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۸)	سنن ابی داؤد	امام سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۹)	سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید قزوینی رحمۃ اللہ علیہ
(۲۰)	شعب الایمان	امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ
(۲۱)	مسند الامام احمد	امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ
(۲۲)	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
(۲۳)	ترجمان السنہ	مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ
(۲۴)	الطیبی شرح مشکاۃ المصابیح	علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ
(۲۵)	زاد المعاد	ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ
(۲۶)	الاستیعاب	ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ
(۲۷)	احیاء علوم الدین	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
(۲۸)	کتاب الشفاء	قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ
(۲۹)	سیرت النبی	علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
(۳۰)	ذکر رسول	مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ
(۳۱)	کلیاتِ اقبال	علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ
(۳۲)	الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ
(۳۳)	رود کوثر	شیخ محمد اکرام

مصنف کی مطبوعہ علمی کاوشیں

● اسلام میں عفت وعصمت کا مقام:

عفت وعصمت کے موضوع پر یہ کتاب انتہائی ضخیم، مفصل اور جامع انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے، کتاب وسنت کے مستند حوالوں سے مزین ہے، اکابر علماء کی تصدیقات وتائیدات سے آراستہ ہے، انتہائی خوبصورت طباعت کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے، اور مقبول عام وخاص ہورہی ہے۔

● اسلام میں صبر کا مقام

یہ کتاب صبر کے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، فاضل مصنف نے اس کتاب میں جدید اسلوب میں قرآن وحدیث، آثار صحابہ کی روشنی میں صبر کے مقام، اس کی اہمیت اور ضرورت کے متعدد پہلوؤں کو کافی شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا ہے، صبر وشکر کے تقابلی تجزیے پر مصنف نے بے حد قیمتی باتیں تحریر کی ہیں، دور حاضر کے ہر نوجوان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

● ترجمان الحدیث

اس کتاب میں اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق کے متعلق ڈیڑھ سو صحیح ترین احادیث نبویہ کی مدلل اور عام فہم اسلوب میں عالمانہ تشریح کی گئی ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ اپنے مواد کی علمیت اور افادیت کی وجہ سے اسے مساجد اور اجتماعی مجالس میں سنایا اور پڑھایا جائے۔

● اسلام کی سب سے جامع عبادت نماز

اس کتاب میں نماز کی اہمیت، اقسام وانواع، خشوع کی شرعی حیثیت، خشوع کے مختلف طریقوں کا ذکر قرآن وسنت کی روشنی میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ خشوع کے موضوع پر جو فاضلانہ اور عالمانہ مفصل ومدلل بحث کی گئی ہے وہ اردو دنیا میں اپنی نوعیت کی منفرد چیز ہے، یہ کتاب ہر خاص وعام کے مطالعہ میں جگہ پانے کی اولین مستحق ہے۔

● اسلام اور زمانے کے چیلنج

موجودہ معاصر حالات کے تناظر میں مصنف کے اشہب قلم سے نکلی ہوئی پرسوز، پردرد اور واقعیت پسندی پر مبنی فکری تحریروں کا یہ مجموعہ موجودہ صورتِ حال میں ہر مسلمان کے لئے راہبر اور فکری غذا فراہم کرتا ہے، جو بات بھی لکھی گئی ہے باحوالہ اور نصوص کی روشنی میں ہے۔

● سیرتِ نبویہ قرآنِ مجید کے آئینے میں

یہ کتاب قرآن کی روشنی میں سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع اور روشن پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، قرآنی سیرت کے موضوع پر یہ اردو زبان میں پہلی باضابطہ کتاب ہے، جس میں سیرت طیبہ کو تاریخی ترتیب کے ساتھ قرآنی بیان کے آئینہ میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، اسلوبِ بیان بے حد پرکشش اور اچھوتا ہے۔ کتاب کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

● عظمتِ عمر کے تابندہ نقوش

یہ کتاب عربی کے مشہور ادیب شیخ علی طنطاوی کی پراثر تحریر "قصة حياة عمر" کی ترجمانی ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمے سے مزین ہے، کتاب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت وعبقریت کے نمایاں پہلو بہت دل نشیں اور ساحرانہ اسلوب میں اجاگر کئے گئے ہیں، سیرتِ عمر پر یہ کتاب عمدہ اور قابل قدر اضافہ ہے۔

● گناہوں کی معافی کے اسباب اور طریقے

یہ کتاب صحیح ترین احادیث نبویہ کی روشنی میں گناہوں کی معافی کے مختلف طریقوں کو محیط ہے، اس میں گنہ گاروں کو مایوسی سے بچنے کی تاکید اور توبہ کی تحریک اور عمل صالح کی ترغیب ملتی ہے، ہر مسلمان نوجوان کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

● گلہائے رنگا رنگ

تین جلدوں پر مشتمل یہ وقیع کتاب قرآن وسنت کی انقلابی تعلیمات، اصلاحِ قلب ونفس ومعاشرہ، اسلام کے خلاف پھیلائے گئے مغالطوں اور شکوک وشبہات کی مکمل اور مدلل تردید کو محیط عام فہم اور دل نشیں اسلوب میں بیش قیمت اور فکر انگیز تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت جلد مقبول ہوا، اب دوسرا ایڈیشن زیر طباعت ہے۔

● مفکر اسلام؛ جامع کمالات شخصیت کے چند اہم گوشے

یہ کتاب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات اور ان کی تابندہ زندگی کے روشن نقوش اور نمایاں امتیازات کی جامع اور مکمل تصویر کشی ہے۔ کتاب حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے بیش قیمت مقدمات سے مزین ہے، متعدد اہل قلم کے تأثر کے مطابق مفکر اسلام کی شخصیت پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب اپنے مواد کی جامعیت، اسلوب کی دل کشی اور حسن بیان کے اعتبار سے انفرادی شان رکھتی ہے۔

● علوم القرآن الکریم

یہ کتاب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی اردو تصنیف علوم القرآن کا عربی ترجمہ ہے۔ مترجم نے بہت سلیس اور شگفتہ عربی زبان میں کتاب کو اردو سے منتقل کیا ہے، شروع میں

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کا مقدمہ زینت کتاب ہے۔

● اسلام میں عبادت کا مقام

یہ کتاب عبادت کے موضوع پر انتہائی جامع اور محیط کتاب ہے، جس میں عبادت کے تمام پہلوؤں کا کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ عوام اور خواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

● اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق

یہ کتاب معاشرتی اصلاح اور سیرت وکردار کی تعمیر کے تعلق سے بے حد مفید اور جامع کتاب ہے، جس میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا ذکر بڑی تفصیل سے اور وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے، دور حاضر میں ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

● اسلام دین فطرت

یہ کتاب مذہب اسلام کے امتیازات اور اس کی انسانیت نواز تعلیمات کو واضح کرتی ہے، اس میں اسلام کی جامعیت، واقعیت، حقیقت پسندی، ربانیت، امن واسلامتی، اخوت ووحدت، مساوات واجتماعیت جیسے متعدد اہم گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ہر باذوق کے لئے قابل مطالعہ ہے۔

● دیگر رسائل:

اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن عناوین

سچ اور جھوٹ کتاب وسنت کی روشنی میں ایک جائزہ

اسلام کا جامع اور مؤثر ترین تعزیری نظام

کچھ یادیں کچھ باتیں

اسلام اور دہشت گردی

● عربی کتب:

علوم القرآن الكريم

وان المساجد لله

لمعات من الاعجاز القرآني البديع

اصول المعاش الاسلامی فی ضوء نصوص الكتاب و السنة.....

نظرة عابرة على القضاء و القضاة فی الاسلام

بحوث علمية فقهية